MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

مرآۃ العارفین انٹرنیشنل

فروری 2026ء، شعبان المعظم/رمضان المبارک 1447ھ

WWW.MIRRAT.COM

قرآن نمبر

حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ

حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ مَأْدُبَةُ اللّٰهِ
فَأَقْبِلُوْا مِنْ مَّأْدُبَتِهٖ مَا
اسْتَطَعْتُمْ،
إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ حَبْلُ اللّٰهِ،
وَالنُّوْرُ الْمُبِيْنُ وَالشِّفَاءُ
النَّافِعُ عِصْمَةٌ لِّمَنْ تَمَسَّكَ
بِهٖ وَنِجَاةٌ لِّمَنْ تَبِعَهٗ

بیشک یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دسترخوان (عطیہ ونعمت) ہے اس کے دسترخوان سے جو کھانا چاہو پسند کرلو- بے شک یہ قرآن اللہ کی رسی ہے اور (یہ قرآن) نورِ مبین ہے اور (یہ قرآن) نفع دینے والی شفاء ہے جو ان پر عمل پیرا ہوں یہ ان کا محافظ ہے اور اپنی اتباع کرنے والوں کے لئے نجات (دہندہ) ہے-

[مستدرک علی الصحیحین، کتاب فضائل القرآن]

مسلسل اشاعت کا چھبیسواں سال

MIRRAT UL ARIFEEN INTERNATIONAL

ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل لاہور

فروری 2026ء، شعبان المعظم/رمضان المبارک 1447ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فیضانِ نظر

سُلطان الفقر حضرت سخی سلطان محمد اصغر علی صاحب قدس سرہ العزیز

چیف ایڈیٹر: صاحبزادہ سلطان احمد علی

ایڈیٹوریل بورڈ:
- سید عزیز اللہ شاہ ایڈووکیٹ
- مفتی محمد شیر القادری
- افضل عباس خان

آرٹ ایڈیٹر:
- محمد احمد رضا
- واصف علی

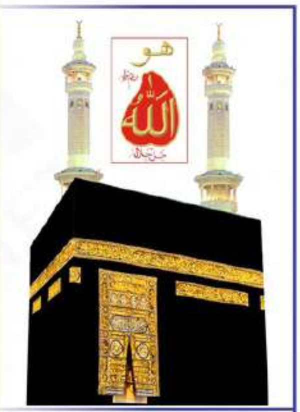

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری (اقبال)

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُوکی نسبت سے شائع ہونے والا فلسفۂ وحدانیت کا ترجمان،
اصلاحِ انسانیت کا پیمبر، اتحادِ ملّتِ بیضا کے لئے کوشاں، نظریۂ پاکستان کی روشنی میں استحکامِ پاکستان کا داعی

اس شمارے میں

1	اقتباس		3
	اداریہ		
2	دستک		4
	قرآن نمبر		
3	قرآن کریم اور ڈیجیٹل اخلاقیات: سوشل میڈیا، فیک نیوز اور فتنوں میں قرآن کریم سے اخلاقی راہنمائی	ڈاکٹر عبد الباسط	6
4	سوشل میڈیا اور اخلاقیات: سورہ الحجرات سے چند اہم اسباق	صاحبزادہ سلطان احمد علی	11
5	ڈیجیٹل ڈیٹوکس اور قرآنی اصول نوجوانوں کے لیے ذہنی اور عملی توازن	سبینہ عمر	16
6	موسمیاتی تبدیلی اور ہماری زمین: قرآن مجید اور سیرت النبی (ﷺ) سے اخلاقی زاویۂ نظر	صاحبزادہ سلطان احمد علی	23
7	قرآن پاک کی تفہیم میں علم الکلام کی اہمیت: مختصر جائزہ	مفتی میاں عابد علی ماتریدی	33
8	آیاتِ سجدہ کے مقاصد، حکمتیں اور اسرار و رموز	مفتی محمد امجد علی قادری	42
9	امثال القرآن کے اغراض و مقاصد اور اُن کی عصری تطبیقات	مفتی محمد صدیق خان قادری	45

فی شمارہ نیوز پیپر	فی شمارہ آرٹ پیپر
80 روپے	110 روپے
سالانہ (ممبرشپ) 960 روپے	سالانہ (ممبرشپ) 1320 روپے

سعودی ریال	امریکی ڈالر	یورپین پونڈ
800	400	280

اپنی بہترین اور مؤثر کاروباری تشہیر کیلئے مرآۃ العارفین میں اشتہار دیجئے رابطہ کیلئے: 0300-1275009

پبلشر سجاد علی چوہدری نے قاسم نعیم آرٹ پریس، بند روڈ، لاہور سے چھپوا کر HST-1/8-A بیسمنٹ، کینال سٹی، کینال بنک روڈ لاہور سے شائع کیا

برائے خط و کتابت ماہنامہ مرآۃ العارفین انٹرنیشنل P.O.Box No.11 جی پی او، لاہور E-mail: miratularifeen@hotmail.com
WWW.ALFAQR.NET, WWW.MIRRAT.COM

"بے شک جنہوں نے قرآن کے ساتھ کفر کیا جب کہ وہ اُن کے پاس آچکا تھا (تو یہ اُن کی بد نصیبی ہے) اور بے شک وہ (قرآن) بڑی باعزت کتاب ہے- باطل اِس (قرآن) کے پاس نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے، (یہ) بڑی حکمت والے، بڑی حمد والے (رب) کی طرف سے اتارا ہوا ہے"-(حم السجدہ:41-42)

حضرت عبد اللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا: "حسد (رشک) صرف دو آدمیوں میں کیا جائے، ایک وہ شخص جس کو اللہ عزوجل نے مال دیا اور وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے، دوسرا وہ شخص جس کو اللہ عزوجل نے حکمت عطا فرمائی ہو اور وہ اس حکمت (علم) کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگوں کو تعلیم دے"-(صحیح البخاری، کِتَابُ العلم)

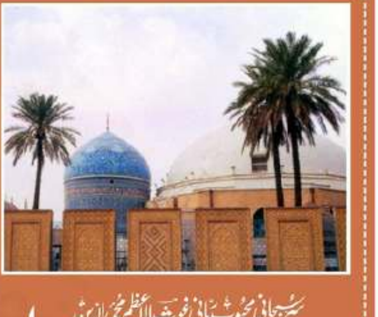

سرکارِ حبانی محبوبِ سبحانی غوث الاعظم محی الدین
سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی (رضی اللہ عنہ)
فرمان

"اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مزین ہو جانا اس وقت تک میسر نہیں آتا جب تک اس ذات کی متابعت نہ ہو جو اس کے اخلاق کی کامل و مکمل جامع ہے اور اخلاق باری تعالیٰ سے مکمل مزین ہونے والے حضرات میں ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سب سے زیادہ کامل ہیں اور آقا کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو اخلاقِ الٰہیہ سے بہ طریقیہ اکمل متصف ہیں کے اخلاق سے متصف اس وقت تک نہیں ہوا جا سکتا جب تک اس کتاب کو راہنما نہ بنایا جائے جو اللہ تعالیٰ کے تمام اخلاق کی جامع ہے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مرتبہ پر نازل کی گئی ہے"-

(تفسیر الجیلانیؒ)

سلطان العارفین
حضرت سلطان باھُو (رحمۃ اللہ علیہ)
فرمان

تن من یار میں شہر بنایا دل وِچ خاص محلہ ھو
آن الف دل وسوں کیتی میری ہوئی خوب تسلہ ھو
سب کجھ میں نوں پیا سینوے جو بولے ماسوا اللہ ھو
درد منداں ایہہ رمز پچھاتی باھو بے درداں سر کھلا ھو

(ابیاتِ باھُو)

فرمانِ قائدِ اعظم محمد علی جناح (رحمۃ اللہ علیہ)

ایمان، اتحاد، تنظیم

"ہمارے رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم ہے کہ ہر مسلمان کے پاس قرآنِ حکیم کا نسخہ ہونا چاہیے اور اسے اپنا عالم خود بننا چاہیے (قرآن کریم سے صحیح ہدایت حاصل کرکے)- لہٰذا اسلام محض روحانی عقائد اور ایمان یا رسومات تک محدود نہیں ہے یہ ایک مکمل ضابطہ ہے جو پورے مسلم معاشرے کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کو اپنے اصولوں پر کاربند کرتا ہے"-

(ڈھاکہ، 24مارچ، 1948ء)

فرمانِ علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ)

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن!
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمن

(ضربِ کلیم)

قرآن پاک سے محبت کے عملی تقاضے

اسلام کے ماننے والوں کی دنیا میں تعداد تقریباً دو ارب ہے، جو عالمی آبادی کا تقریباً 26 فیصد بنتی ہے- مسلمانوں کے لیے قرآنِ مجید بنیادی مذہبی کتاب ہے اور انفرادی عقیدے اور اجتماعی مذہبی زندگی دونوں میں ایک نہایت مقدس اور مرکزی حیثیت رکھتا ہے- دنیا بھر میں افریقہ، ایشیا، یورپ اور امریکا سمیت مختلف خطوں اور سماجی طبقات سے تعلق رکھنے والے 2 ارب سے زائد مرد، خواتین اور بچے قرآنِ مجید کو انتہائی عقیدت کے ساتھ مانتے اور اس کی تعظیم کرتے ہیں-[1]

قرآنِ مجید کی آفاقی حفاظت کا ذمہ تو بھیجنے والے نے خود اٹھایا ہے، مگر اسباب کے ناطے دیکھا جائے تو اس کا انحصار تاریخی طور پر حفظ اور زبانی ترسیل کی مضبوط روایت پر رہا ہے- حضور نبی کریم (ﷺ) کے بعد جن اولین افراد نے قرآنِ مجید کو مکمل طور پر حفظ کیا، ان میں آپ (ﷺ) کے قریبی صحابہ نمایاں ہیں- ان کے بعد اُمت کے دیگر نیک و صالح ہستیوں نے قرآنِ مجید کو باقاعدہ حفظ اور مسلسل تلاوت کے ذریعے محفوظ رکھنے میں اہم کردار ادا کیا- یہ زبانی روایت چودہ صدیوں سے زیادہ عرصے سے بلا تعطل جاری ہے اور اسلامی مذہبی عمل کی ایک بنیادی خصوصیت سمجھی جاتی ہے-[2]

عصرِ حاضر میں دنیا بھر میں لاکھوں مسلمان قرآنِ مجید کو مکمل یا جزوی طور پر حفظ کر چکے ہیں- صرف پاکستان میں ہی اندازوں کے مطابق 10 لاکھ سے زائد حفاظ موجود ہیں اور ہر سال ہزاروں طلبہ حفظِ قرآن مکمل کرتے ہیں- مصر بھی اپنے مضبوط دینی تعلیمی اداروں کے ذریعے ہر سال ہزاروں حفاظ تیار کرنے کے لیے مشہور ہے- اسی طرح انڈونیشیا، جہاں دنیا کی سب سے بڑی مسلم آبادی آباد ہے، وہاں لاکھوں افراد قرآنِ مجید کے حفظ میں مصروف ہیں-[3]

تعلیمی اور ادارہ جاتی مطالعات کے مطابق دنیا بھر میں قرآنِ مجید کو حفظ کرنے والوں کی تعداد 1.5 سے 2 کروڑ سے تجاوز کر چکی ہے، جو مسلم معاشرے میں اس روایت کی غیر معمولی وسعت کو ظاہر کرتی ہے- قرآنِ مجید کو غیر عربی زبان بولنے والوں تک پہنچانے کے لیے اس کے تراجم بھی بڑے پیمانے پر کیے گئے ہیں- 2026 تک قرآنِ مجید کا ترجمہ دنیا کی 114 سے زائد زبانوں میں ہو چکا ہے-[4]

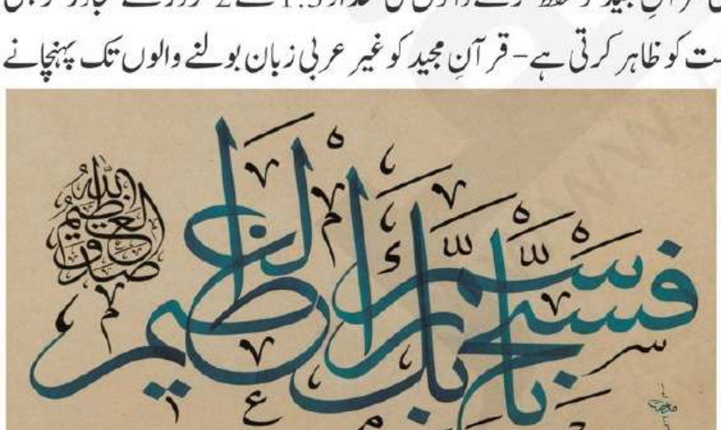

عصرِ حاضر میں اتنے تراجم ہونے کے باوجود، ایک ایک تفسیر کی کئی کئی جلدیں دستیاب ہونے کے باوجود قرآن کریم کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک افسوسناک ہے- دو ارب مسلمانوں میں سے کتنے ہیں جنہیں قرآن مجید کا فہم ہے، جو قرآن کریم کو سمجھ کر پڑھتے ہیں، کتنے ہیں جو ناظرہ کے علاوہ ترجمہ تفسیر سے استفادہ حاصل کرتے ہیں- ہماری زندگیاں علامہ محمد اقبال (رحمۃ اللہ علیہ) کے اس شعر کی مصداق بن گئیں ہیں کہ:

---

[1] "Quran Institute," *Al-Azhar Quran Teaching*, accessed January 12, 2026, https://www.alazharquranteaching.com/quran-institute/.

[2] "How Many People Have Memorized the Quran?" *Shaikh Saleh Academy*, accessed January 12, 2026, https://shaikhsalehacademy.com/how-many-people-have-memorized-the-quran/.

[3] "Which Country Has the Most Hafiz Quran?" *Riwaq Al Quran*, accessed January 12, 2026, https://riwaqalquran.com/blog/hafiz-are-in-the-world/.

[4] "How Many People Have Memorized the Quran?" *Shaikh Saleh Academy*. Accessed January 12, 2026. https://shaikhsalehacademy.com/how-many-people-have-memorized-the-quran/.

خود بدلتے نہیں، قُرآں کو بدل دیتے ہیں　　　　ہُوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

یوں تو ہر محفل اور ہر جلسہ کی کارروائی کا آغاز قرآن پاک سے ہوتا ہے، مگر عمل سراسر اس کے مخالف ہوتا ہے- قرآنِ کریم کے صرف ناظرہ پڑھنے والے انگلیوں پر گنے جاتے ہیں، پوری عمر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں گزارنے والے لوگ قرآن کریم کو پڑھنے اور اس کا ترجمہ و تفسیر سیکھنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے- ان کے ذہن میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ عربی زبان بہت مشکل ہے- اس لیے قرآن کریم سمجھنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں- ضرورت اس امر کی ہے کہ جگہ جگہ درسِ قرآن کے حلقے قائم کیے جائیں- نصاب تعلیم میں اس کو بنیادی اہمیت دی جائے- مختصر یہ کہ قرآنِ پاک سے سچی محبت کا ثبوت یہ ہے کہ ہر موقع پر ہم انفرادی و اجتماعی سطح پر قرآن کریم کو پڑھیں، سمجھیں اس سے رہنمائی لیں اور اپنی عملی زندگی میں نافذ کریں- کیونکہ قرآن کریم سے وفاداری اور ایمان کی تکمیل اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے-

سیّدی رسول اللہ (ﷺ) نے مسلمانوں کو قرآن کریم پر عمل کرنے کی خوشخبری اور ترک عمل پہ وعید سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَّ يَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ"[5]

”بے شک اللہ تعالیٰ اس قرآنِ کریم کے ذریعے کچھ اقوام کو سربلند فرماتا ہے- (یعنی ماننے والوں کو) اور (نہ ماننے والوں) کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دیتا ہے“-

نیز آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ"[6]

”قرآن تیرے حق میں حجت ہے (اگر تو اس پر عمل کرے) اور تیرے خلاف بھی حجت ہے (جب تو اس پر عمل نہ کرے)“-

[5](صحیح مسلم، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه)

[6](صحیح مسلم، باب فضل الوضوء)

قرآن کریم اور ڈیجیٹل اخلاقیات

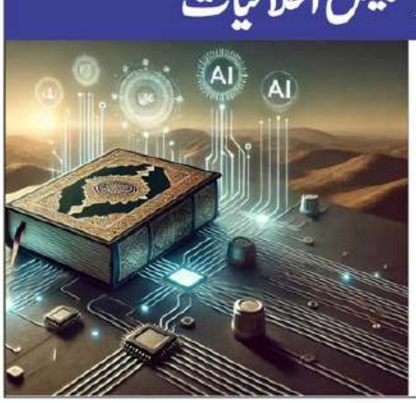

سوشل میڈیا، فیک نیوز اور فتنوں میں قرآن کریم سے اخلاقی راہنمائی

ڈاکٹر عبد الباسط
بحریہ یونیورسٹی اسلام آباد

ڈیجیٹل دور میں معلومات کی تیز رفتاری نے بلا شبہ معاشروں کو ناقابل تصور فوائد دیئے ہیں- دور جدید میں سوشل میڈیا ایک ایسی طاقت بن چکا ہے جو سیاسی، تعلیمی اور اخلاقی رویوں کو تشکیل دینے میں اپنا کردار ادا کرتا ہے- مگر اسی اثناء میں اطلاعتی آلودگی، غلط معلومات، سازشی نظریات، کردار کشی، افواہوں اور منظم فیک نیوز نے سماجی ہم آہنگی، سیاسی استحکام اور اخلاقی حدود کو مزید خطرے میں ڈالا ہے- انفارمیشن ٹیکنالوجی نے جہاں رابطوں میں انقلاب برپا کیا ہے، وہیں اخلاقی بحران بھی شدت اختیار کر چکا ہے- جدیدیت اور جدت پسندانہ نظریات نے معاشرتی اقدار کے ڈھانچے کو تہہ و بالا کرتے ہوئے عقائد و نظریات پر وہ شب خون مارا ہے کہ شائد ہی اس کا تدارُک ہو سکے- مسلم معاشرے جہاں اپنے عقائد و نظریات سے پہچانے جاتے ہیں وہیں افراد کا طرزِ عمل پوری انسانیت کے لئے مشعلِ راہ تصور کیا جاتا ہے-

معاشرتی طور پر ہر اِنسان اپنے افکار و نظریات کی بنیاد پر ایک پہچان رکھتا ہے- سوچ اور فکر جہاں حالات و واقعات، عقائد و نظریات، اقدار و روایات، علم و حکمت، فہم و فراست اور ظاہری علوم کی بنیاد پر پَرکھے جاتے ہیں، وہیں روحانی افکار اِن کی بلندی اور تقویت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں- زاویہ بندی کا یہ عمل بچپن، لڑکپن، جوانی، بڑھاپا- حتیٰ کہ زندگی کے ہر حصے میں جاری رہتا ہے- سماجی رویوں میں معاشرتی اقدار انسانی تعلقات کا بنیادی جزو ہیں- سچائی، ایفائے عہد، غیرت، حمیّت اور ایمانداری، معاشرتی اقدار کا بہترین فریم ورک مہیا کرتے ہیں، جو قرآن کریم کے نزدیک اَوصافِ حَمیدہ کا مظہر سمجھے جاتے ہیں- جھوٹ، بہتان، گلہ گوئی، گالم گلوچ اور لغو گوئی کا تعلق خصائل رزیلہ سے ہے، جو معاشرتی برائیوں کی جڑ سمجھے جاتے ہیں-

معاشرتی اکائیوں میں فرد ایک ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، جس کا سنورنا اور سنبھلنا معاشرے کی سمت کا تعین کرتا ہے- اگر یہی فرد، اپنے رویے میں اعتدال پسندی، صلہ رحمی، بھائی چارے، امن پسندی اور یقین کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے تو معاشرتی اکائیاں پارہ پارہ ہو جاتی ہیں- ایسی صورت میں زبوں حالی، نفرتیں، بد عنوانی، دُشمنی، لُوٹ کھسوٹ، قتل و غارت اور جھوٹ، عظمت و افتخار کا استعارہ بن جاتے ہیں- معاشرتی رویوں میں یہ تغیر سالہا سال پر محیط ہوتا ہے جس میں کئی ایک وجوہات کارفرما ہوتی ہیں- مسلم تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمانوں نے جب بھی قرآن کریم کی تعلیمات سے روگردانی کی ہے، وہ روبہ زوال ٹھہرے- آج ہم جس نہج پر کھڑے ہیں، ایک دفعہ پھر حقیقت حق سے تعلق استوار کرنے کی ضرورت ہے-

ابلاغ عامہ نے معلومات کو بے حد تیزی سے پھیلانے کی قوت دی ہے، جس کے نتیجے میں سچ اور جھوٹ کے بیچ تمیز کرنا انتہائی مشکل عمل ہے- سوشل میڈیا پلیٹ فارم اب نا صرف سماجی رابطے کا ذریعہ ہیں بلکہ کئی فتنوں کے پھیلاؤ کا موجب بھی بن چکے ہیں- حالات کا بغور جائزہ لیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ معاشرہ اپنی اقدار کھو بیٹھا ہے- ذرائع ابلاغ اور سوشل میڈیا کے ذریعے ناپسندیدہ پیغامات، دھمکیاں، جنسی اشارے، بلیک میلنگ اور ذاتی معلومات کے غلط استعمال کے ذریعے کسی کو پریشان اور تنگ کرنا معمول کا حصہ بن چکا ہے اور لوگ اسے اپنا بنیادی حق تصور کرتے ہیں- سماجی طور پر فکری انحطاط اور زبوں حالی کا عالم یہ ہے کہ جعلی انعامات، نوکریوں کا جھانسا، قرضوں اور لاٹری کے جھانسے لوگوں کے بزنس کا حصہ ہیں- سکیمرز، جعلی ویب سائٹس، فشنگ ای میلز یا جعلی لنکس اور فیک اکاؤنٹس کے ذریعے لوگوں کو مالی یا شناختی نقصان پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتے- ان تمام مسائل کے تناظر میں قرآنی تعلیمات،

صداقت، احتیاط اور سماجی انصاف پر مبنی اُصولوں کا عملی فریم ورک مہیا کرتی ہیں- اسمارٹ فونز، اے آئی جنریٹڈ مواد اور دنیا بھر سے پھیلنے والی غلط معلومات کے تناظر میں قرآن کریم ڈیجیٹل اخلاقیات اور کثیر الجہتی اصول مہیا کرتا ہے-

قرآنی اخلاقیات کے اُصول:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صداقت، سچائی، امن پسندی اور بھائی چارے کے فروغ پر بار بار زور دیا ہے، جو ڈیجیٹل ایتھکس کا بنیادی جزو ہیں- جیسا کہ خبر کی تصدیق اور سچائی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا“[1]

”اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو“-

مندرجہ بالا آیت میں قرآن ”ویریفیکیشن جرنلزم“ کا پہلا اصول دیتا ہے جو کہ فیک نیوز کلچر پر براہ راست لاگو ہوتی ہے- اس کے مطابق تحقیق کے بغیر وائرل پوسٹ شیئر کرنا اخلاقی جرم ہے- جدید میڈیا سٹڈیز میں اسے علمی ذمہ داری (Epistemic Responsibility) کہا جاتا ہے-

مزید بر آں! کردار کشی، ہتک عزت اور سوشل میڈیا ٹرولنگ کے اوپر قرآن مجید نے بڑے واضح احکامات دیئے ہیں- جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

”وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا“[2]

”اور ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو“-

”وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ“[3]

”اس کے لئے خرابی ہے جو لوگوں کے منہ پر عیب نکالے، پیٹھ پیچھے برائی کرے“-

اِن آیات میں قرآن کریم انسانوں سے مخاطب ہو کر انہیں بری باتوں سے منع کرتے ہوئے اس بات پر زور دیتا ہے کہ اپنے رویوں کی سمت درست کرو اور ہر طرح کی معاشرتی برائیوں سے دور رہو- سوشل میڈیا پر گالی، تضحیک آمیز رویے، بلیک میلنگ اور کردار کُشی سخت اخلاقی جرم ہیں جو قرآنی تعلیمات کے منافی ہیں- اِن احکامات میں گہرا فلسفہ، اخلاقی تعلیمات اور روحانی ہدایات موجود ہیں جو کہ اس الہامی کتاب کی فصاحت و بلاغت کا منہ بولتا ثبوت ہیں- جن کا مقصد انسان کی رہنمائی ہے-

ابلاغ عامہ اور سوشل میڈیا پر، پروپیگنڈا اور افواہیں بدگمانی پیدا کرتے ہیں جو آپسی تعلقات کیلئے زہر قاتل تصور کئے جاتے ہیں- جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ“[4]

”اے ایمان والو! بہت زیادہ گمان سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں“-

افواہوں اور غیر مصدقہ باتوں کو شیئر کرنا قرآن کریم کے اخلاقی نظام کے خلاف ہے- آج ڈیجیٹل افواہیں سیاسی عدم استحکام، عدم برداشت اور سماجی انتشار کا باعث بنتی ہیں- جن کی روک تھام کے لئے قرآن کریم نے باقاعدہ فریم ورک فراہم کیا ہے- جو عالم انسانیت کی فلاح و ترقی کے لئے رہنما اصول سمجھے جاتے ہیں-

جھوٹے کیپشن اور بگاڑے ہوئے مواد کے متعلق قرآن مجید نے سخت تنبیہ کی ہے- جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

”وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ“[5]

”اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ“-

یہ آیت کریمہ سورۃ البقرہ کے آخر میں موجود ہے جہاں اہل کتاب کو حق کو چھپانے اور اسے باطل سے گڈ مڈ کرنے سے منع کیا گیا ہے- اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل علم اور اہل کتاب پر لازم ہے کہ وہ سچ کو جھوٹ سے ممتاز کریں، حقیقت کو واضح کریں اور جانتے بوجھتے اسے مت چھپائیں، تاکہ لوگ گمراہی سے بچتے ہوئے حق پر قائم رہیں- بمطابق قرآن کریم حق کو باطل میں ملانا فتنہ کا آغاز ہے- فوٹو شاپ اور ڈیپ فیک سب جھوٹ اور فراڈ کے زُمرے میں آتا ہے-

جدید دور کے فتنے اور قرآنی احکامات:

سوشل میڈیا کمپنیاں ایسے الگورتھمز استعمال کرتی ہیں جو جذباتی مواد کو زیادہ پھیلاتے ہیں، جس کے نتیجے میں غصہ،

[1](الحجرات:6)
[2](الحجرات:12)
[3](الھمزہ:1)
[4](الحجرات:12)
[5](البقرۃ:42)

نفرت اور تقسیم کو بڑھاوا دینے والے ایکو چیمبرز بنتے ہیں- سوشل میڈیا پر جب آپ ایک جیسا خاص قسم کا مواد دیکھتے ہیں تو الگورتھم آپ کو ویسا ہی مواد دکھاتا ہے، جس سے آپ ایک "اشراتی غار" میں پھنستے چلے جاتے ہیں- اس سے سماجی تقسیم بڑھتی ہے کیونکہ لوگ ایک دوسرے کے نقطہ نظر کو سمجھ نہیں پاتے اور کسی ایک نظریے کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں- جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ"[6]

"اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں"-

سوشل میڈیا صارفین کو معلومات شیئر کرنے سے پہلے تحقیق اور تصدیق کرنی چاہیے تاکہ امن قائم رہے- یہ قرآنی اصول، لوگوں کو تبصروں، رپورٹس اور بیانات کی جانچ پڑتال کرنے پر زور دیتا ہے- قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے کسی بھی شخص سے متعلق بلاوجہ تحقیق اور غیر ضروری معلومات کے حصول سے بھی منع فرمایا ہے، تاکہ لوگوں کی عزت و وقار قائم اور محفوظ رہے- جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

"وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ"[7]

"اور جس بات کا علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو"-

قرآن مجید میں اللہ پاک نے نا صرف لوگوں کو ضابطہ حیات بتائے بلکہ بہت سارے معاملات پر سخت تنبیہ بھی فرمائی- جو لوگ ابلاغ عامہ اور سوشل میڈیا پر غیر ذمہ دارانہ باتیں کرتے ہیں، قرآن کریم ان پر سخت موقف اختیار کرتا ہے- انفلوئنسرز جو رائے عامہ کی تشکیل کرتے ہیں ان کے متعلق قرآن کریم بنیادی اصول وضع کرتا ہے- جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ"[8]

"اے ایمان والو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں کرتے؟"

اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ بہت غصے اور ناراضگی کا باعث ہے کہ انسان زبان سے جو بات کرے، اس پر خود عمل نہ کرے، یہ منافقت کی علامت ہے- موجودہ دور میں جہاں سوشل میڈیا کا استعمال بہت بڑھ چکا ہے، تو ہر فرد پر لازم ہے کہ حق اور سچ بات کہے- ایسی لغو گوئی سے گریز کرے جس کے متعلق وہ خود جانتا نہ ہو اور بنیادی طور پر قرآن کریم کی رو سے بات کہنے اور دوسروں کی اصلاح کا حق بھی اسے حاصل ہے جو خود عمل کرتا ہو اور اس کا وہ عمل تابع قرآن کریم و شریعہ ہو- جیسا کہ مزید فرمایا:

"كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ"[9]

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ بات ہے کہ تم وہ کہو جو کرتے نہیں"-

ڈیجیٹل فتنوں نے معاشرتی اکائیوں کو نا صرف توڑا بلکہ دراڑوں کو مزید گہرا کر دیا ہے- لوگوں کے رجحانات اور طرز عمل قرآن و سنت کے منافی نظر آتے ہیں- جس کا اظہار ان کے رویوں سے واضح ہے- عدم برداشت، صلہ رحمی، بھائی چارہ، شفقت، مہربانی، عنایت و غنایت سے عاری افرادی قوت سوائے مادی جسموں کے کسی اہمیت کے حامل نہیں- کیونکہ انسانی معاشرہ اپنی قدرتی اقدار پر جیتا ہے- جس معاشرے میں جھوٹ، فریب، دغا بازی اور چور بازاری سر عام ہو، ان کیلئے قرآن کریم میں سخت وعید آئی ہے اور اللہ پاک نے سخت پکڑ کا ذکر کیا ہے- مزید برآں، اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

"اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا"[10]

"بیشک کان، اور آنکھ، اور دل، ان سب سے (روز قیامت) سوال کیا جائے گا"-

قرآن کریم کی تعلیمات کیونکہ ہر دور کیلئے یکساں قابل عمل ہیں تو اکیسویں صدی کے حالات کا جائزہ بتاتا ہے کہ اس وقت ہمیں قرآن کریم سے مستفید ہونے کی اشد ضرورت ہے- بریکنگ نیوز پریکٹس اور سماجی رابطوں کے ذرائع جس انداز میں انفارمیشن کے ساتھ کھیل رہے ہیں ہمیں مندرجہ بالا آیت سے سبق حاصل کرنا چاہیے- قرآن کریم کے یہ احکامات فرد کی

[6](النساء:83)
[7](الإسراء:36)
[8](الصف:2)
[9](الصف:3)
[10](الاسراء:36)

اصلاح کا بنیادی ماخوز تصور کیے جاسکتے ہیں جو ضابطہ حیات کا بنیادی فریم ورک فراہم کرتے ہیں-

انسانی طرز عمل میں، حق گوئی، شستہ انداز گفتگو اور حسن کردار، وہ بنیادی نکات ہیں جو شخصیت کا ڈھانچہ ترتیب دیتے ہیں- سچائی، شفافیت اور ادبِ گفتار کے متعلق قرآن کریم نے انتہائی خوبصورت انداز میں رہنمائی فرمائی ہے- جس میں ارشاد ربانی ہے:

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا"[11]

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو"-

اس کا مطلب ہے کہ ہمیشہ سچ بولو، حق بات کہو، نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو اور ایسی بات کرو جو درست اور صحیح ہو اور جو تمہیں اللہ تعالیٰ کا قرب دِلائے اور تمہارے اعمال سنوار دے- اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ کھلے یا چھپے، اپنے تمام احوال میں تقویٰ کا التزام کریں اور درست بات کہیں- دین متین میں حسن گفتار پر بہت زور دیا گیا اور قرآن کریم مختلف مقامات پر اس کی دلالت پیش کرتا ہے-

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

"وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ"[12]

"اور میرے بندوں سے کہہ دیجیئے کہ وہ بہترین بات کریں"-

آیت مبارکہ کے اس حصہ میں اللہ پاک نے اپنے محبوب کریم (ﷺ) سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ وہ لوگ جو مجھ پر ایمان رکھتے ہیں، وہ جو مجھے چاہتے ہیں اور وہ جو میرے احکامات کے پابند ہیں انہیں کہہ دیجئے کہ اچھی بات کہیں- اس کا وجہ تسمیہ آیت کے اگلے حصہ میں اللہ پاک نے وضاحت کے ساتھ فرمایا:

"اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا"[13]

"بیشک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے، بیشک شیطان انسان کا کھلا دُشمن ہے"-

یہ اللہ پاک کا اپنے بندوں پر لطف و کرم اور احسان عظیم ہے کہ اس نے انہیں بہتر اخلاق، اعمال اور اقوال کا حکم دیا ہے، جو دنیا و آخرت کی سعادت کے موجب ہیں- ذکر الٰہی، حصول علم، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، یہ وہ سارے عوامل ہیں جو لوگوں کے ساتھ ان کے حسب مراتب اور حسب منزلت پیش آنے پر زور دیتے ہیں- اچھی بات ہمیشہ خلق جمیل اور عمل صالح کو دعوت دیتی ہے- اس لئے جسے اپنی زبان پر اختیار ہے اس کے تمام معاملات اس کے اختیار میں ہیں- قرآن کریم کی اس آیت کے مطابق، شیطان بندوں کے دین و دُنیا کو خراب کر کے ان کے درمیان فساد پھیلانا چاہتا ہے- اس فساد سے بچاؤ کا حل یہ ہے کہ بُری باتوں میں شیطان کی پیروی نہ کریں اور آپس میں نرم رویہ اختیار کریں تاکہ شیطان کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع ہو جو ان کے درمیان فساد کا بیج بوتا رہتا ہے- اس لئے شیطان انسان کا کھلا اور حقیقی دُشمن ہے جس کے خلاف جنگ لازم ہے-

امن عامہ کا تعلق انسانی رشتوں اور معاشرتی اقدار سے ہے- اگر لوگوں میں بات سننے، بات سمجھنے اور بات کہنے کا سلیقہ ہے تو امن عامہ کو کوئی خطرہ نہیں- اسی نکتے کی طرف قرآن کریم نے کچھ یوں رہنمائی فرمائی ہے کہ:

"وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"[14]

"اور فتنہ قتل سے بھی بڑھ کر ہے"-

قرآن کریم ایک ہمہ گیر اخلاقی نظام فراہم کرتے ہوئے، غلط معلومات، کردار کشی، پروپیگنڈے، رائے عامہ کے بگاڑ اور سوشل میڈیا کی بے راہ روی کے اسباب کا تدارک کرتا ہے- قرآن کریم کا اخلاقی وژن آج کے ڈیجیٹل ایتھکس سے نہ صرف ہم آہنگ ہے بلکہ عالم انسانیت کو درپیش مسائل کا حل پیش کرتے ہوئے اِخلاقی فریم ورک بھی مہیا کرتا ہے:

- جس کا پہلا حصہ صدق ہے یعنی معلومات کی سچائی اولین ترجیح ہونی چاہئے-
- دوسری چیز تحقیق ہے کہ اشاعت سے قبل اسے ہر زاویے سے پرکھ لیا جائے-
- تیسری چیز احسان ہے کہ جس میں بھلائی اور خیر خواہی شامل ہو، انفرادی و اجتماعی نقصان سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہو-

[11](الاحزاب:70)
[12](الاسراء:53)
[13](الإسراء:53)
[14](البقرۃ:191)

- چوتھی چیز تعاون ہے، کہ نیکی اور تقویٰ کے مد نظر ایک مشترکہ ذمہ داری کا احساس ہے اور معاشرے میں اصلاح کا فروغ بھی اس کی ذیل میں آتا ہے-

سوشل میڈیا کے عدم استحکام اور انتشاری منظر نامے میں قرآن کریم کا کردار ایک مضبوط اخلاقی اینکر کی حیثیت رکھتا ہے-

حاصل کلام:

مندرجہ بالا تمام فرموداتِ الٰہی اس بات کی دلالت پیش کرتے ہیں کہ، دور جدید میں درپیش تمام مسائل کا حل قرآن مجید کی تعلیمات کے اپنانے میں ہے، چاہے وہ انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر- قرآن کریم ہر فرد کی عزت و وقار کا احترام سکھاتے ہوئے، نفرت انگیز تبصروں اور ڈیجیٹل ہراسگی سے بچاؤ کے لئے ایک اخلاقی معیار فراہم کرتا ہے- جس کے مطابق احترام اور عدل کا دامن ہاتھ نہیں چھوٹنا چاہیے- قرآن کریم کے مندرجہ بالا اخلاقی ضابطے، معلومات کے تدارک، ذمہ دارانہ گفتار، سچائی کی ترویج اور سماجی تعاون کے فروغ میں عملی رہنمائی فراہم کرتے ہیں- ان نظریات کی روشنی میں نصوصی تفاسیر، عملی اصول، پالیسی تجاویز اور تحقیقی سفارشات مرتب کی جاسکتی ہیں- قرآن کریم کے "تحقق" کے تصور کو سوشل میڈیا کے فیکٹ چیکنگ عمل میں لاگو کرتے ہوئے بہترین طریقہ کار مرتب کیا جاسکتا ہے-

تاہم! قرآنی تعلیمات افرادی سطح، ادارتی سطح اور تکنیکی سطح پر تحمل، برداشت، رواداری، شواہد طلبی اور مفاہمت کے عملی اقدام پر زور دیتی ہیں-بعینہ! شفاف رپورٹنگ اور بہتر انویسٹیگیشن میکانزم کے ساتھ سچائی کے معائنہ کار (Fact Checkers) کی شمولیت سے نظام میں بہتری لائی جا سکتی ہے- نفرت انگیز اور جان بوجھ کر غلط معلومات پھیلانے والوں کے خلاف مناسب قانونی چارہ جوئی بھی سماجی ترقی میں کردار ادا کر سکتی ہے- افرادی سطح پر ہر سوشل میڈیا یوزر کو، کوئی بھی پوسٹ شیئر کرنے سے پہلے ان سوالات کا جواب تلاش کرنا چاہیے:

1-پوسٹ کا ماخذ کیا ہے؟

2-کیا یہ واضح ثبوتوں پر مبنی ہے؟

3-کیا اس کا اشتراک نقصان تو نہیں پہنچائے گا؟

4-کیا میرا رویہ معاشرتی مفاد میں بہتر ہے؟

جبکہ ادارتی سطح پر تعلیمی مہمات اور مذہبی سکالرز کی جانب سے تحقیق کے "قرآنی معیارات" جاری کرنے چاہیے اور تکنیکی سطح، پر سوشل میڈیا پلیٹ فارمز کو شفافیت اور مربوط نظام کے ذریعے فیک نیوز پیٹرنز کی شناخت کے لئے اخلاقی الگورتھم ترتیب دینے چاہئیں- قرآن کریم! بدگمانی سے بچنے کی نصیحت کرتے ہوئے، آن لائن افواہوں کو قبول نہ کرنے، ہیش ٹیگز یا ریلز میں جذباتی عبارتیں کم کرنے اور صارفین کو "احتیاطی اشتراک" کی عادت ڈالنے پر رہنمائی کرتا ہے- قرآن مجید مناظروں میں نرمی، سنجیدہ دلیل کا تقاضا، مذہبی رواداری اور سماجی قائدین کے ثالثی کردار اور نفرت انگیز مواد کی تشہیر کو روکنے پر زور دیتا ہے-

قرآن مجید کے اخلاقی اصول عملاً معلوماتی دور میں واضح رہنمائی فراہم کرتے ہیں- ڈیجیٹل الگورتھمز کی غیر شفافیت، میڈیا کارپوریٹس کے تجارتی مفادات اور عوامی سطح پر علمی و تربیتی خلا، معاشرتی اقدار کو توڑتا چلا جارہا ہے- قرآن کریم کا اخلاق صرف انفرادی اصلاح پر ہی نہیں بلکہ اجتماعی و سماجی اصلاح پر بھی زور دیتا ہے- لہٰذا پالیسی، تعلیم اور تکنیکی ڈیزائن، تینوں میں یکساں توجہ ضروری ہے- اس کیلئے مذہبی رہنماؤں، پالیسی سازوں، تعلیمی اداروں اور ٹیکنالوجی کمپنیوں کے باہمی اشتراک وتعاون کی ضرورت ہے- قرآن کریم کا کردار ہدایتی، تربیتی اور اصلاحی-تینوں حوالوں سے مفید ہے-

☆☆☆

حواشی:

- تفسیر ابن کثیر
- تفسیر طبری
- روح المعانی
- MIT Media Lab. The Spread of True and False News Online (2023)
- Oxford Internet Institute. Global Disinformation Report(2024)
- Pew Research Center. Social Media & Society(2024)

سوشل میڈیا اور اخلاقیات:

سورہ الحجرات سے چند اہم اسباق

صاحبزادہ سلطان احمد علی
شریک لکھاری: محمد ذیشان دانش

قرآنِ کریم محض ایک مذہبی کتاب نہیں بلکہ انسانیت کیلئے رہتی دنیا تک رہنمائی فراہم کرنے والا ایک جامع ضابطۂ حیات ہے- بدلتے زمانے، نئی فکری جہتوں اور نت نئے سماجی چیلنجز کے باوجود قرآن کریم کی ہدایات اپنی معنوی وسعت اور فکری گہرائی کے باعث آج بھی اسی طرح مؤثر اور قابلِ اطلاق ہیں جیسے نزول کے وقت تھیں- موجودہ عہد، جسے سوشل میڈیا اور مصنوعی ذہانت(AI) کا دور کہا جاتا ہے اور اس دور نے انسان کے فکری، اخلاقی اور نفسیاتی ڈھانچے کو نہ صرف غیر معمولی طور پر متاثر کیا ہے بکہ نئی آزمائشوں سے دو چار بھی کر رہا ہے- معلومات کی فراوانی، سچ اور جھوٹ کی آمیزش اور اخلاقی ابہام ایسے مسائل ہیں جن کا سامنا آج کا فرد روزانہ کی بنیاد پر کر رہا ہے- ایسے میں یہ ناگزیر ہو چکا ہے کہ ہم قرآن کریم میں غور و فکر کریں، اس کے آفاقی اصولوں میں غوطہ زن ہوں اور جدید اور ابھرتے ہوئے چیلنجز کیلئے رہنمائی حاصل کریں، تاکہ ٹیکنالوجی کے باعث ہونے والی تیز رفتار ترقی، اخلاقی زوال کی طرف بہالے جانے کی بجائے فکری ارتقا اور ذمہ دارانہ طرزِ عمل کا ذریعہ بنے- قرآن مجید کی ہر سورت اور آیت کلام الٰہی ہونے اور آقا پاک (ﷺ) پر نزول کے باعث اپنی منفرد شان اور خصوصیت کی حامل ہے- سورت الحجرات پر بھی اسی تخصص کا اطلاق ہوتا ہے جو اس سورت مبارکہ کی نمایاں حیثیت کو اجاگر کرتا ہے- سورۂ الحجرات مدنی سورت ہے ترتیب کے اعتبار سے یہ قرآنِ مجید کی 49 ویں سورت مبارکہ ہے جو 2 رکوع اور 18 آیات کریمہ پر مشتمل ہے- اسی سورت کی پہلی 5 آیات کریمہ کا بنیادی اور اولین درس آقائے نامدار حضرت محمد (ﷺ) کے ادب، تعظیم اور اطاعت سے وابستہ ہے، جہاں آواز، رائے اور عمل سب کو مقامِ رسالت کے تابع کیا گیا ہے- پھر یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ہر خبر پر یقین کر لینا اور اس پر کوئی کارروائی کر گزرنا مناسب نہیں ہے- اگر کسی شخص یا گروہ یا قوم کے خلاف کوئی اطلاع ملے تو غور سے دیکھنا، پرکھنا چاہیے کہ خبر ملنے کا ذریعہ قابل اعتماد ہے یا نہیں- قابل اعتماد نہ ہو تو اس پر کارروائی کرنے سے پہلے تحقیق کر لینا چاہیے کہ خبر صحیح ہے یا نہیں- خبر کی تحقیق کر لینے کے احکامات دینے کے بعد اس سورت مبارکہ میں ایک بار پھر آقا پاک (ﷺ) کی موجودگی کو مشکلات سے بچاؤ اور باعثِ برکت ہونے کا اللہ عزوجل کی طرف سے اعلان فرمایا گیا ہے- اس کے بعد مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو اس صورت میں عدل کے ساتھ صلح کروانے، ظالم کے خلاف متحد ہو کر لڑنے اور رجوع کی صورت میں صلح کو ترجیح دینے کے احکامات ہیں اور مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دیا ہے- پھر مسلمانوں کو ان برائیوں سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے جو اجتماعی زندگی میں فساد برپا کرتی ہیں اور جن کی وجہ سے آپس کے تعلقات خراب ہوتے ہیں- ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، ایک دوسرے پر طعن کرنا، ایک دوسرے کے بُرے بُرے نام رکھنا، بد گمانیاں کرنا، (برائی کے ساتھ) مذاق اڑانا، دوسرے کے حالات کی کھوج کرید کرنا، لوگوں کو پیٹھ پیچھے ان کی برائیاں کرنا گویا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا، یہ وہ افعال ہیں جو ازخود بھی گناہ ہیں اور معاشرے میں بگاڑ پیدا کرنے کے اسباب بھی ہیں- پھر نسلی تفاخر کی نفی اور ایک آدم و حوا سے پیدا کرنے اور قبائل و قوموں کو شناخت کا ذریعہ ہونے کا بیان ہے نہ کہ تفاخر کا بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ وہ ہے جو متقی ہے- ایمان و اسلام لانے کا فرق بیان کیا گیا ہے تاکہ اسلام دلوں میں راسخ ہو کر ایمان کی روشنی سے قلوب و اذہان کو جلا بخشے اور اہل ایمان کی نشانی بیان کی گئی کہ انہوں نے اپنی جان و مال سے جہاد کیا شک میں نہ پڑے- آخر میں بیان کیا گیا کہ اللہ کو دین داری نہ جتلاو بلکہ اللہ کا احسان مانو کہ اس نے ایمان کی راہ دکھائی- بے شک اللہ سب غیب جانتا ہے اور جو کچھ کیا جاتا ہے اس سے خوب واقف ہے-

ادب واحترام بارگاہِ رسالت مآب (ﷺ)
(آیت 1تا8)

سورہ الحجرات ہمیں حکم دیتی ہے کہ آپ (ﷺ) کو عام انسان سمجھنا اور آپ (ﷺ) کے اسم گرامی کو عام انداز میں لینا قرآن کریم کی رو سے جائز نہیں اور قرآن کریم نے ایسا کرنے سے ہمیں روکا بھی ہے- اس لئے ہمیں احتیاط اور ادب عالی کا دامن تھام کر اور انتہائی عجز و محبت سے آقا پاک (ﷺ) کا نام نامی اسم گرامی، اپنی زبانوں اور سوچ و فکر کو ادب و احترام اور درود و سلام سے لبریز و تر کر کے لینا چاہیئے- ایسے نہیں کہ جیسے ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں- کیا ہی خوبصورت کہا گیا:

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

”ہزار بار بھی اگر میں اپنا منہ مشک و گلاب سے دھوؤں، تو پھر بھی آپ (ﷺ) کا نام مبارک لینا بہت بڑی بے ادبی ہے“-

خصوصاً سوشل میڈیا کے پلیٹ فارمز کے دسترس میں آجانے کے بعد ہمیں اس مقام کی حساسیت کا ادراک ہونا چاہیئے کہ ہم کس ہستی پاک (ﷺ) کا اسم گرامی اپنی زبان سے ادا کر رہے ہیں- سورت الحجرات کی روشنی میں ہمیں آقا پاک (ﷺ) کے ”اسم گرامی“ کو بھی اس انداز سے اپنے پورے شعور کے ساتھ ادا کرنا چاہیئے جو آپ (ﷺ) کے شایان شان ہے اور اس عمل کی پریکٹس ہمیں خود اور اپنے اہل و عیال سے اس انداز میں کروانی چاہیئے کہ یہ شعوری والہانہ پن ہمارے تحت الشعور اور لاشعور میں بھی اس طرح رچ بس جائے کہ اگر ہماری کیفیت بے شعوری کی بھی ہو تو آقا پاک (ﷺ) کا نام نامی اور آپ (ﷺ) کا ادب عالی ترک نہ ہو سکے- اپنی عام زندگی اور خصوصاً سوشل میڈیا کا استعمال کرتے ہوئے چاہے ہم لکھ رہے ہوں یا بول رہے ہوں ہمیں قرآنی احکامات کا خیال رکھنا ہو گا-

خبر کی تحقیق کرنا:

”یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰی مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ“[1]

اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق (شخص) کوئی خبر لائے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (ایسا نہ ہو) کہ تم کسی قوم کو لاعلمی میں (ناحق) تکلیف پہنچا بیٹھو، پھر تم اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ-

یہ آیت کریمہ ہمیں واضح حکم دیتی ہے کہ تمہارے پاس جب کوئی خبر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو- اس کی تصدیق کرنا ضروری ہے، بنا تصدیق اس خبر پر ایکشن لینا کسی طور بھی درست عمل نہیں- سوشل میڈیا پہ بنا تحقیق چیزیں لائک یا فارورڈ کرنا بھی اسی ایکشن کے ضمن میں آتا ہے- شاید ہماری دانست میں یہ ایک چھوٹا سا عمل ہو لیکن عالمی تناظر میں، جہاں جھوٹی خبروں بلکہ جھوٹی خبروں کی باقاعدہ صنعت نے، کردار کشی، نفرت انگیز بیانیے اور ڈیجیٹل ہجوم (digital mob) نے معاشرتی ہم آہنگی کو خطرے میں ڈال رکھا ہے، وہاں یہ چھوٹا سا عمل یہ لائک یہ شئیر جانے یا انجانے میں ہمیں نفرت انگیز بیانیے کی آگ کا ایندھن بناتا ہے، کردار کشی و بہتان کا موجب بناتا ہے، جھوٹوں کا آلہ کار بناتا ہے اور سب سے بڑھ کر قرآنی احکامات سے روگردانی کرنا سکھاتا ہے-

قرآن کریم سکھاتا ہے کہ خبر کی تحقیق کرنی ہے اگر کوئی فاسق خبر لائے تو اس پر تحقیق کے بغیر یقین نہیں کرنا اور نہ ہی اس کے حوالے سے کوئی ایکشن لینا ہے- قرآن کریم کا یہ آفاقی حکم آج بھی اسی طرح لاگو ہوتا ہے جیسے کہ 1400 سال پہلے، بلکہ ہماری دانست میں آج اس کے اطلاق کی ضرورت زیادہ ہے کیونکہ آج ہر کس و ناکس کے پاس کم از کم اتنا اختیار ضرور ہے کہ وہ اس خبر کو پھیلا سکے اس کے لئے سوشل میڈیا کے کم از کم دو پلیٹ فارمز تک رپورٹس کے مطابق پاکستان کے ہر تیسرے آدمی کی رسائی ممکن ہے- پاکستان میں 75 فیصد آبادی موبائل فون کا استعمال کر رہی ہے جن میں سے تقریباً 32 فیصد سوشل میڈیا صارف ہیں- جبکہ دوسری طرف جھوٹی خبریں یا مس انفارمیشن کے متعلق سٹیٹ اسٹا فروری 2024ء کی رپورٹ[2] میں جو مغرب میں ہوئی کہتا ہے کہ ایک ہفتے کے دوران سوشل میڈیا صارفین نے سیاست سے متعلق 36 فیصد کووڈ-19 سے متعلق 30 فیصد،

[1](الحجرات:6)

[2]https://www.statista.com/statistics/1317019/false-information-topics-worldwide/

معیشت سے متعلق 28 فیصد خبریں اور پوسٹس سچ پر مبنی نہیں تھیں کا سامنا کیا-

اسی طرح جولائی 2025ء میں ٹیکساس کے سیلاب اور طوفان کے حالات میں جو خبریں اور پوسٹس سوشل میڈیا پر وائرل ہوئیں ان کے بارے میں ایک تحقیقی گروپ سینٹر فار کاؤنٹرنگ ڈیجیٹل ہیٹ (CCDH) نے اپنی رپورٹ[3] میں کہا کہ سوشل میڈیا کے بڑے پلیٹ فارم شدید موسمی واقعات کے بارے میں غلط معلومات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، جانوں کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور ہنگامی رد عمل کی کوششوں میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں، یاد رہے کہ اس رپورٹ کے نتائج کو پاکستان سمیت دنیا بھر کے بڑے میڈیا سنٹرز نے اخبارات میں شائع کیا ہے- سینٹر فار کاؤنٹرنگ ڈیجیٹل ہیٹ (CCDH) کی رپورٹ، جس نے قدرتی آفات بشمول ٹیکساس کے مہلک سیلاب کے دوران تین سر کردہ پلیٹ فارمز میں سے ہر ایک پر 100 وائرل پوسٹس کا تجزیہ کیا- رپورٹ اس بات پر روشنی ڈالتی ہے کہ ان کے الگورتھم کس طرح جان بچانے والی معلومات کو نظر انداز کرتے ہوئے سازشی تھیوریسٹوں کو بڑھاتے ہیں- آگے چل کر یہ رپورٹ واضح کرتی ہے کہ مصدقہ اکاونٹس (ویریفائڈ) سے موسمی حالات کے بارے میں ایکس کے 88 فیصد، یوٹیوب کے 73 فیصد اور میٹا کے 64 فیصد سے جھوٹے دعووں پر مبنی پوسٹس کو شیئر کیا گیا- کہنے کا مطلب یہ ہے کہ بظاہر مصدقہ اکاونٹ ہونے سے خبر یا واقعہ کو درست مان لینا کافی نہیں، بلکہ اس کے متعلق ہمیں خود بھی تحقیق کرنی چاہیئے- ہم اپنے عمل کے جوابدہ خود ہیں اس عمل کا حساب ہم سے کیا جائے گا اور اس صورت میں جب یہ رہنمائی ہمارے پاس 1400 سال سے موجود ہے اور ساتھ حصول علم ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے تو ہمیں کسی بھی خبر، کسی بھی پوسٹ اور بات کو پھیلانے سے پہلے خود احتسابی کے عمل سے گزرتے ہوئے اس بات کے متعلق مختلف ذرائع سے تصدیق کرنی ضروری ہے اور خصوصاً اگر ہمارا اکاونٹ مصدقہ ہے تو اس صورت میں یہ ذمہ داری مزید بڑھ جاتی ہے- یہ معاملہ مصدقہ اکاونٹس پر ہی ختم نہیں ہوتا بلکہ AI سے تخلیق کردہ سیلیبریٹیز اور مواد تک جا پہنچتا ہے، جہاں جدید ٹیکنالوجی کے استعمال سے مصنوعی افراد و کردار کو بنایا گیا جس کا مقصد پہلے پہل تو کاروبار کی وسعت اور خرچ کو کم کرنا ہے لیکن اس سے معاشرے، کلچر اور اقدار کو بھی تبدیل کیا جانے کا خطرہ ہے اس لئے بحیثیت مسلمان ہمیں ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس وقت سوشل میڈیا کا استعمال اور جھوٹی خبروں کو پھیلانے کی صنعت اپنے عروج پر ہے- اب ڈیٹا فروخت ہوتا ہے بیانیہ بنانے کے لئے خطیر رقم خرچ کی جاتی ہے اور سوشل میڈیا کی چکاچوند سے اندھے پن میں گھرے عوام و خواص کے لائک، شئیر اور ویوز سے پیسہ کمایا جاتا ہے- ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ہم جانے انجانے میں اس کا شکار تو نہیں ہو رہے- عصر حاضر میں ہم تہذیبوں کے تصادم سے معاشرے میں بیانیے کی جنگ تک آ پہنچے ہیں جس کے محرکات میں فیک نیوز اور بیانیہ بنانے کی صنعت ہماری نفسیات سے خوب کھیل رہی ہے اور اس کا سب سے بڑا میڈیم یا واسطہ سوشل میڈیا ہی ہے-

سال 2025ء کے اواخر میں ”ایکس“ نے پروفائل میں لوکیشن کی ایکسس کو عام کیا، تو کیا ہی خوب انکشافات ہوئے کہ بڑے نام اور مصدقہ اکاونٹس کا بیس کیمپ کہاں کہاں ہے - BBC کے مطابق[4] امریکی صدر سمیت دنیا کے کئی بڑے ناموں کے اکاونٹس کا تعلق اس ملک سے تھا ہی نہیں جہاں وہ آباد ہیں- سوشل میڈیا ایک مکمل سائنس ہے اور موجودہ وقت میں یہ بہت بڑی معاشی و نفسیاتی قوت ہے - یہ پلیٹ فارمز اور ان سے جڑے معاملات کئی جہتوں، تہوں اور بھول بھلیوں پر مشتمل ہیں، ہمیں کسی صورت خواہ انجانے میں ہی کیوں نہ ہو اس کا ایدھن نہیں بننا-

مسلمانوں کے مابین صلح: (آیت 9 تا 10)

سورت الحجرات کی آیت 9 اور 10 حکم دیتی ہے کہ مسلمانوں کے مابین لڑائی جھگڑے کی صورت میں ان میں صلح کرائی جائے، زبان کی ذمہ داری کا احساس کرنا ہے، اختلاف کے

[3]https://www.preventionweb.net/news/meta-x-youtube-threaten-public-safety-enabling-and-profiting-false-claims-during-catastrophic
[4]https://www.bbc.com/news/articles/cj38m11218xo

آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا ہے، افراد و گروہوں کی عزتِ نفس کے تحفظ کا خیال کرنا ہے، عدل کو قائم کرنا ہے، ظلم کے خلاف ہونا ہے، مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ان کے مابین صلح کروانی ہے، اختلاف کو ختم کرنا ہے ایسے مواد کی حوصلہ شکنی کرنا جو لڑائی کو بڑھائے-

اگر ہم فرقہ واریت کو اپنے معاشرے میں اور اس کے اثرات کو عالمی تناظر میں دیکھیں اور اس پر سوشل میڈیا پر اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیں تو جان جائیں گے کہ ہم سورت الحجرات کی اس آیت کے احکامات سے کوسوں دور کھڑے ہیں، ہمارے مابین اختلافات و مسائل داخلی بھی ہیں اور خارجی بھی- ان دونوں صورتوں میں ہم عدل کے سائے میں پناہ نہیں لے رہے بلکہ ہماری پسند و ناپسند کا دار و مدار ہمارے عقائد ہیں جس نے مسلم ممالک کو دو بڑے بلاکس میں تقسیم کر دیا ہے- اس مسئلہ پر توجہ دینا تو اہل اختیار کا کام ہے لیکن یہ عالمی تقسیم پھر تقسیم در تقسیم کی صورت میں ہمارے معاشروں میں پنپ رہی ہے- ہم فروعی اختلافات، منفی خیالات اور گروہی بیانیہ کو سوشل میڈیا پر پھیلائے چلے جا رہے ہیں- ہم اس مواد کی حوصلہ شکنی نہیں کر رہے جو اختلافات کا باعث ہے- صلح جوئی کی بجائے اختلافات کو مزید ہوا دی جا رہی ہے- مسئلہ فلسطین ہو یا کشمیر، عرب دنیا کے حالات ہوں، یا شام، مصر، عراق و لیبیا کے قیامت خیز منظر ہوں یا افریقہ میں مسلم ممالک کے معاملات، یا جہاں بھی دنیا میں کلمہ پڑھنے والے سانس لے رہے ہیں، بلکہ اسلام پہ رہتے ہوئے سانس لینے کو بھی مشکل بنایا جا رہا ہے، یہ اتنے سنگین حالات پیدا ہونے کی وجہ کی طرف حکیم الامت علامہ اقبال نے اشارہ دیا کہ ہم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر-

سماجی برائیوں سے ممانعت: (آیت 11 تا 12)

سورت الحجرات کی یہ آیات مقدسہ ہمیں حکم دیتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے اور اپنے گمان اور سوچ کو مثبت رکھنا ہے- کسی قوم کا مذاق نہیں اڑانا، طعنہ زنی نہیں کرنی اور خصوصاً عورتوں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ دوسری عورتوں کو طعنہ نہ دیں، طعنہ زنی اور الزام تراشی اور برے نام رکھنے سے باز رہنا ہے- اہل ایمان کو فاسق اور بد کردار نہ کہیں اور جو توبہ نہیں کرتے وہ ظالم ہیں- بدگمانی سے بچنے کا حکم ہے عیبوں کی جستجو کی ممانعت کی گئی اور پیٹھ پیچھے برائی کرنے کو اپنے فوت شدہ بھائی کا گوشت کھانے کے برابر قرار دیا گیا ہے یعنی اپنے فوت شدہ بھائی کا گوشت اتار کر نہیں کھانا-

اس کے برعکس سوشل میڈیا کے ٹرینڈ ہمیں کوئی اور کہانی سناتے ہیں- یہاں خبر پھیلانے کی جلدی ہوتی ہے، تحقیق کا وقت نہیں ہوتا، زبان کی ذمہ داری پوری کرنے کی بجائے ایک دوسرے کو برے ناموں سے پکارا جاتا ہے بلکہ اس پر فخر محسوس کیا جاتا ہے، میمز بنائی جاتی ہیں، الزام تراشی ہوتی ہے، سوشل میڈیا پر اختلاف کرنے والے کو نشان عبرت بنایا جاتا ہے- عیب تلاش کیے جاتے ہیں، نہ بھی ہوں تو فرضی تیار کر لئے جاتے ہیں، گروہی عصبیتیں ان عیبوں کو اچھالنے میں معاون و مددگار ثابت ہوتی ہیں یعنی ہم اپنے فوت شدہ بھائی کا گوشت نوچ کھانے کو آمادہ بیٹھے ہیں اور اس پر فاخر بھی ہیں-

انسانی مساوات اور تقویٰ: (آیت 13)

یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمام انسانوں کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا فرمایا ہے اور ان کے قبائل پہچان کے واسطے ہیں نہ کہ نسلی تفاخر اور صاحب عزت ہونے کے- ہاں اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت کا معیار تقویٰ یعنی خوف خدا ہے مطلب کہ ہر عمل میں رضائے الٰہی کے حصول کی تمنا کا ہونا، آیت کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتے ہیں کہ وہ الخبیر ہیں اور ہر خبر کو جانتے ہیں- یہاں یہ حکم ملتا ہے کہ قبیلے پہچان کا ذریعہ ہیں نہ کہ نسلی تفاخر و تعصب پھیلانے کیلئے مطلب صوبائی و لسانی تعصب کی نفی کرنی ہے- اس کا اطلاق ہماری زندگی کے ہر شعبے میں ہوتا ہے- خواہ وہ عام زندگی ہو یا ورچوئل اسٹیٹ میں- بہر صورت اس تعصب سے اپنے آپ کو پاک رکھنا ہے خصوصاً سوشل میڈیا پر لسانی و علاقائی تعصب کی بھرمار ملتی ہے یہاں اپنے ان جذبات کے اظہار کا عمل آسان ہے اور خاندانی، لسانی و علاقائی عصبیت کی بنیاد پر معاونت و مدد کی نفسیاتی سپورٹ بھی حاصل ہے لیکن عدل کے دامن کو تھامے رکھنا اور حقائق اور تحقیق سے منزا، بات کو ہی سراہنا ہے-

ایمان اور اسلام کا فرق: (آیت 14 تا 18)

سورت الحجرات کی یہ آیات اسلام لانے اور ایمان کے دلوں میں راسخ ہونے کے فرق کو انتہائی واضح انداز میں بیان کرتی ہیں- جب کچھ اعرابیوں نے اپنے آپ کو اہل ایمان میں سے کہا تو حکم ہوا کہ ان کو فرما دیجئے کہ یہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں ابھی اہل ایمان نہیں ہوئے - اہل ایمان کی نشانی بتاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اہل ایمان وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے، انہوں نے اپنے جان ومال کے ساتھ جہاد کیا، یہی لوگ سچے ہیں -لوگ اللہ پر اپنی دین داری جتلاتے ہیں اور آپ (ﷺ) پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے، حالانکہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ان کو ایمان کی راہ دکھائی- اللہ ہر بات جانتا ہے، غیب کا علم رکھتا ہے اور تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے-

سورۃ الحجرات کی آیات واضح کرتی ہیں کہ ایمان محض زبان سے کہہ دینے کا نام نہیں بلکہ دل میں راسخ ہونے اور عمل میں ظاہر ہونے والی حقیقت ہے-ڈیجیٹل دور میں یہ تعلیم ہمیں خاص طور پر جھنجھوڑتی ہے- آج مذہبی پوسٹس شیئر کرنا، قرآنی آیات کو اسٹیٹس بنانا اور اسلامی نعروں کو پروفائل کی زینت بنانا عام ہو چکا ہے، مگر اسی کے ساتھ نفرت انگیزی، کردار کشی اور بداخلاقی بھی دکھائی دیتی ہے- سورۃ الحجرات کی یہ آیات ہمیں یاد دلاتی ہیں کہ ایمان صرف دعویٰ نہیں، کردار ہے- اگر آن لائن دینداری اخلاق، برداشت اور عدل سے خالی ہو تو وہ تقویٰ نہیں بلکہ منافقت کی صورت اختیار کر لیتی ہے- قرآن کریم کا پیغام یہی ہے کہ ایمان کا اصل امتحان گفتار میں نہیں بلکہ کردار میں ہوتا ہے- تشکیک ایک بہت موذی مرض ہے - یقین، دولت ایمان ہے، اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی نشانیوں میں جان ومال سے جہاد اور شک میں نہ پڑنے کو قرار دے رہے ہیں- عہد حاضر میں حصول علم وفضل اور پھر اس علم وفضل کو سوشل میڈیا پر الحاد کے خلاف استعمال کرنا- یقیناً قلمی جہاد ہے لیکن اس کے اصول، زبان ودلیل کا استعمال ہمیں قرآنی اخلاقیات کے آفاقی اصولوں کے عین مطابق کرنا ہے- اس کے ساتھ ساتھ مصنوعی ذہانت کے ذریعے علمی وعقلی دلائل کو فروغ دینا ہے جو شک کے مواد کا قلع قمع کرنے میں معاون ہو-یقین، تشکیک کے دور میں جزو ایمان ہے، ہمیں ایمان پر یقین کے ساتھ ثابت قدم رہنا ہے-

حاصل کلام:

سورۂ الحجرات ایک ایسا فکری منشور پیش کرتی ہے جو منشور فرد کو محتاط، باوقار اور ذمہ دار ابلاغ کا پابند بناتا ہے اور معاشرے کو انتشار، بداخلاقی اور اخلاقی انارکی سے محفوظ رکھنے کی راہ دکھاتا ہے- حاصل کلام یہ ہے کہ آج کے ڈیجیٹل عہد میں، بالخصوص پاکستان جیسے معاشروں میں جہاں سوشل میڈیا رائے سازی، تعلقات اور تنازعات کا طاقتور ذریعہ بن چکا ہے، سورۂ الحجرات کی تعلیمات ایک ہمہ جہت اخلاقی فریم ورک فراہم کرتی ہیں- سورت الحجرات کے احکامات ہم سے اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی کریم (ﷺ) کے نام، ذات اور اسوہ کے حوالے سے ہر قسم کی بے احتیاطی، غیر ذمہ دارانہ اور عمومی پن سے اجتناب کریں- یہ ہماری انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری ہے کہ ڈیجیٹل پلیٹ فارمز کو حضور (ﷺ) کی محبت، سیرت کے درست تعارف اور ادب ووقار کے فروغ کا ذریعہ بنائیں، نہ کہ اختلاف یا انتشار کا- اسی طرح ہمیں بات پھیلانے اور اس پر یقین کرنے سے پہلے خبر کی تحقیق اور تصدیق کرنی چاہیئے، اگر وہ حقائق کی روشنی میں درست ہو اس کے بعد اس پر یقین کرنا اور اسے پھیلانا چاہیے- سورت الحجرات ہمیں بدگمانیوں سے بچنے کی ترغیب دیتی ہے ہمیں یہ سوچنا ہے کہ کیا ہمارے گمان، سوچیں اور خیالات مبنی بر حقائق ہیں یا ہم ڈیجیٹل موب کے گڑھے بیانیہ کی بھیڑ چال کا شکار ہیں- یہ تمام کام جو ہمیں سوشل میڈیا پر نظر آتے ان کا آغاز ایک لائک اور شیئر سے ہوتا ہے یہ سورہ الحجرات کے احکامات اور اصولوں کی نفی ہیں- یہ اصول سوشل میڈیا کے بے مہار استعمال کے باعث مجروح ہو رہے ہیں- سورت الحجرات نے ہمارے لئے سوچنے اور سمجھنے کے در کھول دیئے ہیں ہمیں اپنے معاشرے اور اپنی ذات کو اسلام کے قالب میں ڈھالنے کیلئے اپنی زندگی اور آخرت کو سنوارنے کیلئے سورت الحجرات کے حجرے میں پناہ لینی ہو گی-

☆☆☆

ڈیجیٹل ڈیٹوکس اور قرآنی اصول

نوجوانوں کے لیے ذہنی اور عملی توازن

سبینہ عمر

تخلیقِ کائنات سے لے کر آج تک انسانی زندگی مختلف ادوار اور بے شمار اختراعات سے گزری ہے- ہر دور میں نئ ایجادات نے انسانی ضروریات کو سہارا دیا اور روزمرہ کے وسائل میں اضافہ اور مسائل میں کمی پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن وقت کے ساتھ جوں جوں زندگی تیز رفتاری سے آگے بڑھتی گئی، انسان نے سہولیات کی تلاش میں ایسی ٹیکنالوجیز وضع کیں جنہوں نے زندگی کے مختلف شعبوں میں کچھ نئے مسائل (Challenges) کو بھی جنم دیا- سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ نے رابطوں، معلومات اور تفریح کے بے پناہ مواقع فراہم کیے ہیں- Facebook، Instagram، TikTok، YouTube، Twitter/X اور WhatsApp جیسے ڈیجیٹل ذرائع (Digital Platforms) نے نا صرف دنیا کو ایک عالمی گاؤں (Global Village) کی نئ صورت عطا کی بلکہ انسانی زندگی کے روزمرہ معمولات اور سماجی تعاملات میں بھی ایک لازمی اور ناگزیر حیثیت اختیار کر لی ہے- جیسا کہ عہدِ کووِڈ میں ہم نے دیکھا کہ لوگ ایک دوسرے سے جسمانی طور پر دور تھے، مگر سوشل میڈیا کے ذریعے رابطے قائم رہے- ابتدا میں یہ وقتی ضرورت تھی، لیکن رفتہ رفتہ یہ ضرورت انسانی زندگیوں میں سرایت کرتے ہوئے ایک مستقل حصہ بن گئی اور اب اس نے شدت اختیار کر لی ہے- اس موضوع کو ہم اس طرح سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جیسے زندگی کے ہر شعبے میں توازن ضروری ہے ورنہ نقصان کا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، ایسے ہی غیر متوازن اور صحیح و غلط کی تمیز سے عاری معلومات اور تفریح کے نام پر سوشل میڈیا کا بڑھتا ہوا استعمال نئ نسلوں میں ذہنی دباؤ، توجہ میں کمی، نیند کی خرابی اور سماجی تعلقات میں خلل پیدا کر رہا ہے- اس کا مسلسل استعمال وقت کے ساتھ ایسے اثرات مرتب کر رہا ہے جو شخصیت اور معاشرتی رویوں پر گہرے اثر ڈال رہا ہے گویا تشبیہی طور پر اسے "ڈیجیٹل کینسر" قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہو گا- اس "ڈیجیٹل کینسر" کی علمی اور سائنسی حقیقت یہ ہے کہ اکیسویں صدی کا انسانی دماغ ایک ایسے غیر معمولی ارتقائی چیلنج سے نبرد آزما ہے جسے ماہرین Hyper-Connectivity کا نام دیتے ہیں- اسمارٹ فونز اور سوشل میڈیا کے لامتناہی استعمال نے انسانی اعصابی نظام کو ایک مستقل ہیجانی کیفیت (Chronic Hyper-arousal) میں مبتلا کر دیا ہے- جدید سائنسی شواہد، بالخصوص اسٹینفورڈ یونیورسٹی کی نیورو-بائیولوجسٹ ڈاکٹر انا لیمبکے کی تحقیق یہ ثابت کرتی ہے کہ ڈیجیٹل آلات کا کثرتِ استعمال دماغ کے نظامِ جزا (Reward System) کو مختل کر دیتا ہے- ڈاکٹر انا لیمبکے کے مطابق، موبائل کا بے جا استعمال ہمارے دماغ میں 'ڈوپامائن' (خوشی کا احساس دلانے والا کیمیکل) کا توازن بگاڑ دیتا ہے، جس کے نتیجے میں ہم تند مزاجی (Short Temperament) شدید چڑچڑے پن اور "ڈیجیٹل برن آؤٹ" کا شکار ہو جاتے ہیں-[1]

ماہرین اور جدید تحقیق کے مطابق، اس ڈیجیٹل یلغار کا علمی و روحانی تدارک یہ ہے کہ اس پیچیدہ اعصابی و حیاتیاتی (Neuro-biological) عارضے سے نجات کیلئے ایک سہ

[1]https://profiles.stanford.edu/anna-lembke

جہتی ماڈلِ بحالی (Three-dimensional Recovery Model) اپنایا جائے- اس علمی جراحی (Intellectual Surgery) کا پہلا مرحلہ ڈیجیٹل ڈیٹوکس (digital detox) ہے، جو ایک فوری اعصابی ترتیبِ نو (Neuro-reset) کے طور پر دماغ کے مختل شدہ نظام جزا کو بحال کرتا ہے؛ یہ عمل بعینہٖ قرآنی تصورِ 'اعتکاف' اور 'خلوت' کی معاصر طبی تعبیر ہے جہاں خارجی ہیجان کی نفی کر کے داخلی سکینہ پایا جاتا ہے- دوسرا مرحلہ 'ڈیجیٹل اعتدال (Digital Diet)' ہے، جو "كُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا" کے آفاقی قرآنی ضابطے کے تحت ہمیں 'معلوماتی جنک فوڈ' سے احتراز اور شعوری معلوماتی غذا کے انتخاب پر مائل کرتا ہے تاکہ اعصابی نظام ادراکی دلدل (Cognitive Sinkhole) کے بوجھ سے محفوظ رہ سکے- اس فکری ارتقاء کی معراج قناعت پسندی (Digital Minimalism) ہے، جو ایک پختہ فلسفہِ حیات کے طور پر انسان کو 'لغو' مشغولیات سے بچا کر 'قناعت' اور 'آزادیِ ارادہ' کے منصبِ حاکمیت پر فائز کر دیتا ہے- حقیقت یہ ہے کہ ڈیجیٹل لت ہمارے 'نفسِ لوامہ' کو سلا دیتی ہے، جبکہ یہ ماڈل اسے دوبارہ بیدار کر کے انسان کو صحیح اور غلط (بامقصد اور بے مقصد) کی تمیز عطا کرتا ہے-

قرآن پاک کی کئی سورتوں کا جائزہ لیا جائے تو اس میں ایسے اصول بیان ہوئے ہیں جو ڈیجیٹل ڈیٹاکس کے فکری و اخلاقی بنیاد فراہم کرتے ہیں- ان میں کم و بیش 10 سے 15 سورتیں ایسی ہیں، جہاں لغو اور فضول مشاغل سے اجتناب، نظر اور سماعت کی حفاظت، وقت کی قدر و اہمیت، کثرتِ ذکر اور قلبی توجہ، تنہائی اور تفکر کی اہمیت، نفس پر قابو اور اعتدال جیسے مضامین ملتے ہیں- واضح طور پر جن سورتوں میں یہ مفہوم بالواسطہ ملتا ہے، ان میں سورۃ المؤمنون، سورۃ الفرقان، سورۃ العصر، سورۃ لقمان، سورۃ الاسراء، سورۃ النور، سورۃ الزمر، سورۃ الاعراف، سورۃ الشمس، سورۃ الجمعہ اور دیگر شامل ہیں-

علمی اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن پاک انسان کو غفلت پیدا کرنے والی ہر شے سے ہوشیار رہنے اور ذہنی و روحانی توازن قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے، جو موجودہ دور میں ڈیجیٹل ڈیٹاکس کی فکری اساس بنتی ہے-

اس اہم موضوع پر ہم قرآنی تعلیمات کے مطابق بیان کریں گے کہ ڈیجیٹل ڈیٹاکس قرآنی تعلیمات سے کیسے ممکن ہے؟ اس کے لئے سب سے پہلے ہم "سوشل میڈیا ایڈکشن" کو سمجھتے ہیں- مختلف تحقیقات کا جائزہ لیتے ہوئے بذریعہ قرآنی احکامات اس کی وضاحت کرتے ہیں-

ایک اہم مطالعہ 2023 میں 462 بالغ افراد پر تحقیق کی گئی- اس میں وضاحت سے بیان کیا گیا کہ سوشل میڈیا ایڈکشن (SMA) صرف وقتی استعمال نہیں بلکہ طویل مدتی رویّہ ہے، اور اس کے علامات افسردگی، اضطراب اور ذہنی دباؤ سے منسلک تھیں- اسی طرح سوشل میڈیا ایڈکشن 2024 میں کالج / یونیورسٹی طلبہ پر سروے کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ تقریباً 22.7 فیصد طلبہ کو "سوشل میڈیا ایڈکشن" کی درجہ بندی کی جا سکتی ہے- ان طلبہ نے ذہنی پریشانی، اضطراب اور شخصیاتی وجوہات (جیسے نیوروٹیسزم) میں زیادہ مسائل رپورٹ کیے-[2]

ان تحقیقات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سوشل میڈیا کے غیر متوازن استعمال کو معمولی بات نہیں سمجھا جانا چاہیے بلکہ اسے ایک طرزِ زندگی کا فطری عنصر بننے سے روکنے کی ضرورت ہے-

ڈیجیٹل ڈیٹاکس کا عملی تجربہ:

2024 میں ایک مطالعہ تحقیق میں مندرج سروے میں تجرباتی ٹیم کو منتخب کر کے ان سے 14 دن کے لیے سوشل میڈیا استعمال ترک کرنے کی درخواست کی[3]

یہ مطالعہ اس بات کی واضح مثال ہے کہ اگر انسان اپنی عادات پر قابو رکھے اور کچھ عرصہ دوری اختیار کرے تو نہ

[2] https://link.springer.com/article/10.1186/s12888-024-05709-z?utm

[3] https://link.springer.com/article/10.1186/s40359-024-01611-1

صرف دماغی اور جذباتی سکون مل سکتا ہے بلکہ خود اعتمادی اور خود پسندی (self image) پر بھی مثبت اثر پڑتا ہے۔

2024 میں ایک تازہ تحقیق کی گئی جس میں کام کرنے والے بالغ افراد پر کراس سیکشنل سروے کیا اور رپورٹ کیا کہ جن لوگوں میں سوشل میڈیا ایڈکشن زیادہ تھی، ان میں ذہنی دباؤ، اضطراب اور افسردگی کی شرح نمایاں تھی۔[4]

یہ نتائج بتاتے ہیں کہ "Digital Detox" محض ایک نظریاتی تصور نہیں بلکہ ایک قابلِ اطلاق اور حقیقی حل ہے۔ چاہے آپ طالب علم ہوں، نوجوان، کام کرنے والے یا گھر دار۔

2023ء کی تحقیقات کے مطابق، سوشل میڈیا ایڈکشن کے شکار افراد میں بعض مشترکہ علامات سامنے آئی ہیں۔ سوشل میڈیا کے بغیر اضطراب، کم توجہ، نیند کی خرابی اور تخلیقی سرگرمیوں میں کمی۔ سوشل میڈیا ایڈکشن اور طویل مدتی مطالعہ (longitudinal) تحقیق بتاتی ہے کہ ان علامات کا سلسلہ وقت کے ساتھ مستقل رہ سکتا ہے۔[5]

لہٰذا ڈیجیٹل ڈیٹاکس ایک عارضی پرہیز نہیں بلکہ جدید دور کی ضرورت ہے ۔ ایک فکری، سماجی اور جسمانی توازن کا راستہ ہے۔ یہ چند ایسی بنیادی عملی اقدامات نہ صرف ذہانت اور تخلیقی صلاحیتوں کو فروغ دیتے ہیں بلکہ انسان کے اندر نظم وضبط، خود پر کنٹرول، اور زندگی کے مقصد کو بھی واضح کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کیا ہماری نوجوان نسل ان احکامات سے آگاہ نہیں جو ہم پر اللہ کی طرف سے لاگو ہوتے ہیں؟۔ سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ آج ہماری روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ایک نیا رجحان واضح ہوا ہے: موبائل اور سوشل میڈیا کی لت (addiction)، جو صرف وقت ضائع کرنے کا ذریعہ نہیں بلکہ ذہنی، سماجی اور جذباتی مسائل کا باعث بن رہی ہے۔ متعدد جدید تحقیقی مطالعے اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں کہ سوشل میڈیا کا حد سے زیادہ استعمال کسی حد تک ڈپریشن، اضطراب، تنہائی، خود اعتمادی میں کمی، اپنی شخصیت یا ظاہری شکل کے بارے میں منفی سوچ اور پیشہ ورانہ کارکردگی پر منفی اثرات مرتب کرتا ہے۔ ایسے حالات میں ڈیجیٹل ڈیٹاکس (Digital Detox) نہ صرف متبادل ہو سکتی ہے بلکہ ذہنی اور سماجی توازن کی طرف ایک مثبت اقدام بھی ثابت ہو سکتی ہے۔

نوجوانوں میں سوشل میڈیالت:

پاکستان کے تعلیمی اداروں میں ہونے والی ایک نئی تحقیق نے کم وبیش 386 پاکستانی یونیورسٹی طلبہ پر مطالعہ کیا۔ اس میں وضاحت کی گئی کہ سوشل میڈیا کی لت اور جسمانی ہیئت پر ذہنی اضطراب کے درمیان قابلِ ذکر مثبت تعلق ہے۔ یعنی جو طلبہ زیادہ سوشل میڈیا استعمال کرتے تھے، ان میں خود کو جسمانی و ظاہری اعتبار سے کم قدر پانے یا خود پر عدم اطمینان کا رجحان زیادہ تھا۔[6]

اسی طرح ایک حالیہ مطالعہ 2025 نے نوجوانوں میں سوشل میڈیا ایڈکشن اور ڈپریشن کے درمیان تعلق کی نشاندہی کی ہے۔[7]

بالغ افراد اور کام کرنے والے استعمال کنندگان:

ایک جدید نفسیاتی مطالعہ 2024 جس نے کم و بیش 200 سے زائد working adults پر تحقیق کی۔ اس میں پایا گیا کہ سوشل میڈیا کی لت کا تعلق ڈپریشن، ذہنی دباؤ اور اینگزائٹی کے ساتھ بہت گہرا تھا، اور سوشل میڈیا کا استعمال

---

[4] https://link.springer.com/article/10.1186/s40359-024-01850-2

[5] https://link.springer.com/article/10.1186/s12888-023-04985-5

[6] https://jmhorizons.com/index.php/journal/article/view/555?utm_source

[7] https://ijbr.com.pk/IJBR/article/view/642?utm_source

ذہنی صحت کے بگاڑ کی ایک بڑی وجہ (significant predictor) ثابت ہوا۔[8]

سوشل میڈیا کا غیر صحت مندانہ استعمال نوجوانوں میں بے چینی اور جارحیت پیدا کرتا ہے، جس سے والدین کے ساتھ رشتے اور گھریلو ماحول متاثر ہوتا ہے۔[9]

نیورو سائنس کی رو سے سوشل میڈیا کی لت دراصل ہماری 'توجہ کی صلاحیت' (Attention Capital) کی چوری ہے، جسے ماہرین ذہنی دلدل (Cognitive Sinkhole) کہتے ہیں۔

ان تحقیقات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ سوشل میڈیا کے غیر متوازن استعمال کو معمولی بات نہیں سمجھا جانا چاہیے بلکہ اسے ایک طرزِ زندگی کا فطری عنصر بننے سے روکنے کی ضرورت ہے۔

ڈیجیٹل ڈیٹاکس کا قرآنی منہج: تجویز سے ہدایت تک

ڈیجیٹل ڈیٹاکس کے قرآنی منہج سے مراد یہ نہیں کہ قرآن کریم کسی مخصوص جدید ٹیکنالوجی یا اسکرین کے استعمال کے لیے وقتی قواعد بتاتا ہے، بلکہ اس سے مراد وہ بنیادی فکری، اخلاقی اور روحانی اصول ہیں جن پر قرآن کریم انسان کی پوری زندگی کو قائم کرتا ہے اور جو ہر دور میں انسان کی توجہ، وقت اور دل کی وابستگی کو درست سمت دیتے ہیں۔ یعنی قرآنی منہج میں ڈیجیٹل ڈیٹاکس کسی علیحدہ پروگرام یا مرحلہ وار منصوبہ نہیں بنتا، بلکہ وہ طرزِ زندگی کا حصہ ہوتا ہے۔ عام طور پر جو ڈیجیٹل ڈیٹاکس کی تجاویز پیش کی جاتی ہیں، وہ زیادہ تر ماہرینِ نفسیات، محققین، ٹی وی پروگرامز اور تربیتی نشستوں میں سننے کو ملتی ہیں۔ ان میں وقفے مقرر کرنا، اسکرین ٹائم محدود کرنا، یا متبادل مشاغل اختیار کرنا شامل ہوتا ہے۔ بظاہر یہ سب باتیں معقول اور مفید محسوس ہوتی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام باتیں محض مشورے ہیں، احکام نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان تجاویز پر عمل نہ کرنا انسان کے لیے کوئی اخلاقی یا روحانی بوجھ نہیں بنتا۔ انسان چاہے تو سن لے، چاہے تو نظر انداز کر دے۔ نہ ضمیر میں خلش پیدا ہوتی ہے، نہ جوابدہی کا احساس جاگتا ہے۔ اسی لیے بار بار یہ دیکھا جا رہا ہے کہ جدید ڈیجیٹل ڈیٹاکس کے لائحہ عمل کے باوجود انسان کی توجہ منتشر ہی رہتی ہے، ذہن بے چین ہی رہتا ہے اور لت ختم ہونے کے بجائے مزید مضبوط ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس قرآنِ مجید کا اسلوب بالکل مختلف ہے۔ قرآن کریم انسان سے یہ نہیں کہتا کہ اگر مناسب لگے تو ایسا کر لو بلکہ وہ ہدایت دیتا ہے، حکم دیتا ہے اور جوابدہی کا شعور بیدار کرتا ہے۔ قرآن کریم کا امتیاز یہ ہے کہ وہ انسان کی زندگی کو صرف منظم نہیں کرتا بلکہ مرکز عطا کرتا ہے۔ وہ انسان کو یہ سکھاتا ہے کہ توجہ کہاں مرکوز ہونی چاہیے، دل کس کے ساتھ وابستہ ہو، نظر، ساعت اور وقت کس مقصد کے تابع ہوں۔ مثلاً قرآن کریم لغو سے اجتناب کو محض ایک اچھی عادت نہیں کہتا بلکہ اہلِ ایمان کی صفت قرار دیتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کثرتِ ذکر کو ذہنی سکون کی بنیاد بناتا ہے، نہ کہ ایک اختیاری روحانی مشق۔ قرآن کریم نگاہ اور ساعت کی حفاظت کو ذاتی پسند ناپسند پر نہیں چھوڑتا بلکہ اخلاقی ذمہ داری بناتا ہے۔ قرآن کریم وقت کی قسم کھا کر انسان کو جھنجھوڑتا ہے کہ وہ خسارے میں ہے اگر اس نے اپنی توجہ اور عمر کو بے مقصد ضائع کیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل سے نہ صرف عادات تبدیل ہوتی ہیں بلکہ باطنی تبدیلی بھی پیدا ہوتی ہے۔ یہ تبدیلی خوفِ خدا، احساسِ جوابدہی اور مقصدِ حیات کے ادراک سے جنم لیتی ہے۔ جدید ڈیجیٹل ڈیٹاکس یہ کہتا ہے کہ اسکرین کا وقت کم کر لیا جائے تاکہ ذہن بہتر ہو جائے جب کہ مطالعہ قرآن یہ کہتا ہے کہ اپنے دل کو اس چیز سے ہٹا لو جو تمہیں غفلت میں ڈال دے اور اسے اس ذات سے جوڑ لو جس کے ذکر سے دل مطمئن ہوتے ہیں، اسی لیے اصل مسئلہ اسکرین نہیں، اصل مسئلہ دل کی وابستگی ہے۔ دل

[8]https://link.springer.com/article/10.1186/s40359-024-01850-2?utm_source

[9]https://journals.internationalrasd.org/index.php/pjhss/article/view/2414?utm_source

کی اصلاح کا کام کوئی پروگرام، کوئی ایپ، کوئی ٹائم ٹیبل نہیں کر سکتا- یہ کام صرف قرآن کریم کی ہدایت کرتی ہے- اگر ڈیجیٹل ڈیٹاکس کو واقعی مؤثر بنانا ہے تو اسے نفسیاتی مشوروں کی بجائے قرآنی تصورِ حیات کے تحت سمجھنا ہوگا، جہاں انسان صرف صحت مند نہیں بلکہ باخبر، ذمہ دار اور جواب دہ بندہ بن کر جیتا ہے- یہی قرآن کریم کی عظمت ہے اور یہی وہ فرق ہے جو ہر وقتی تجویز اور دائمی ہدایت کے درمیان ہوتا ہے- اس مضمون میں چند آیات مبارکہ پیش کی جارہی ہیں جو قارئین کیلئے حقیقی معنوں میں ڈیجیٹل ڈیٹاکس کا حکم بیان کرتی ہیں-

فضول مشغولیات سے بچنے کا حکم:

"وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ"[10]

"اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے"-

فضول سکرولنگ، بے کار ویڈیوز اور وقت ضائع کرنے والی مصروفیات سے بچا جائے-

وقت کو ضائع نہ کرنے کی نصیحت:

"وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ"[11]

اس زمانہ محبوب کی قسم! بیشک آدمی ضرور نقصان میں ہے-

موبائل کا بے جا اور حد سے زیادہ استعمال انسان کا سب سے بڑا سرمایہ یعنی وقت ضائع کرتا ہے-

نفس کی خواہشات کے پیچھے نہ پڑنا:

"أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوَاهُ"[12]

"بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا خدا ٹھہرا لیا"-

موبائل اور سوشل میڈیا کا نشہ بھی انسان کو خواہشات کا غلام بنا دیتا ہے-

غفلت سے بچنے کا حکم:

"وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا"[13]

"اور اس کا کہنا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا-

ڈیجیٹل مصروفیات اللہ تعالیٰ کی یاد اور عبادت سے غفلت کا سبب بنتی ہیں-

نظر کی حفاظت اور فتنوں سے بچنے کی تلقین:

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ"[14]

"مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں"-

موبائل استعمال میں سب سے زیادہ آزمائش نظر کی ہے، جو ڈیجیٹل فتنوں سے بچنے کا اہم پہلو ہے-

دلوں کے زنگ اور غفلت کی نشاندہی:

"كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ"[15]

"کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے ان کی کمائیوں نے-

موبائل کا بے تحاشا استعمال دل کو غافل اور سخت بنا دیتا ہے-

اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالنا:

"وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ"[16]

"اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو"-

نیند کی کمی، ذہنی دباؤ، ڈپریشن، موبائل کا حد سے زیادہ استعمال جسم و ذہن کو نقصان دیتا ہے-

اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھیل کود کے لئے نہیں بنایا:

"أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا"[17]

"تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا"-

وقت کو فضول سکرولنگ میں گنوانا مقصدِ حیات کے خلاف ہے-

ہر چیز کا حساب ہونا ہے

"ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ"[18]

"پھر بے شک ضرور اس دن تم سے نعمتوں کی پرسش ہوگی"-

---

[10](المومنون:3)
[11](العصر:1-2)
[12](الجاثیہ:23)
[13](الکہف:28)
[14](النور:30)
[15](المطففین:14)
[16](البقرۃ:195)
[17](المومنون:115)
[18](التکاثر:8)

وقت، صحت، نظر، یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور ان کے استعمال پر باز پرس ہو گی-

شیطان انسان کو غفلت میں رکھنا چاہتا ہے:

"وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا"[19]

"اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکاوے"-

فضول مواد، غیر اخلاقی ویڈیوز، بے معنی مشغلے، شیطانی راستے ہیں-

زبان، آنکھ اور کان کی جوابدہی:

"اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا"[20]

"بیشک کان اور آنکھ اور دل ان سب کے بارے میں سوال ہونا ہے"-

سوشل میڈیا پر جو کچھ ہم دیکھتے، سنتے اور سوچتے ہیں، سب کی جوابدہی ہے-

نفس کو قابو میں رکھنا

"وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى"[21]

"اور نفس کو خواہش سے روکا"-

ڈیجیٹل ڈیٹاکس اصل میں نفس کی تربیت ہے-

وقت کی قدر:

"وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً"[22]

"اور وہی ہے جس نے رات اور دن کی بدلی رکھی"-

موبائل پر راتیں گزار دینا فطری نظام کے خلاف ہے-

ڈیجیٹل ڈیٹاکس کرنے کا طریقہ جب ہم قرآن کریم اور سائنس کے مشترکہ تناظر میں دیکھتے ہیں، تو یہ محض "فون چھوڑنا" نہیں بلکہ "روح کی بیداری اور ذہن کی صفائی" کا ایک جامع پروگرام بن جاتا ہے-ایک مؤثر ڈیجیٹل ڈیٹاکس کے لیے درج ذیل سائنسی و قرآنی حکمتِ عملی اپنائی جاسکتی ہے-

ڈیجیٹل ہجرت: سائنسی علاج اور قرآنی حکمت کی عملی تطبیق: ڈوپامائن ری-سیٹ (Dopamine Reset) نیت کی تطہیر اور تزکیہ

سائنسی نکتہ: ڈاکٹر انا لیمبکے کے مطابق ڈیٹاکس کا پہلا قدم دماغ کے "ریوارڈ سسٹم" کو آرام دینا ہے تاکہ ڈوپامائن کا توازن بحال ہو سکے-

قرآنی منہج: ڈیجیٹل ہجرت کا آغاز "نیت" سے کریں- جب آپ اسے محض عادت بدلنا نہیں بلکہ تزکیۂ نفس سمجھ کر کریں گے تو ارادہ ہمالیہ کی طرح مضبوط ہو جائے گا-جب مقصد اللہ کی رضا اور وقت کی حفاظت ہو، تو نفس کی سرکشی دم توڑ دیتی ہے-

ادراکی بار (Cognitive Load) لغو سے اعراض اور فکری جلا

سائنسی نکتہ: دماغ کو معلوماتی اژدھام (Information Overload) سے بچانے کیلئے input کم کرنا ضروری ہے-

قرآنی منہج: لغو (بے مقصد مواد) کا مکمل بائیکاٹ کریں- سوشل میڈیا پر ان تمام اکاؤنٹس کو (Unfollow) کر دیں جو آپ کو غفلت میں ڈالتے ہیں- یہ "معرضون" (اعراض برتنے) کا عملی نمونہ ہے-

امیگڈالا کام (Amygdala Calm) غضِ بصر اور حیا کی ڈھال

سائنسی نکتہ: بصری ہیجان کو کم کرنے سے دماغ کا جذباتی مرکز (Amygdala) پرسکون ہوتا ہے اور ذہنی خلفشار (Anxiety) کا خاتمہ ہوتا ہے-

قرآنی منہج: غضِ بصر (آنکھ کا روزہ)

اپنی نظروں کو اسکرین کے فتنوں سے بچائیں- فون کا "Greyscale" بلیک اینڈ وائٹ موڈ آن کر

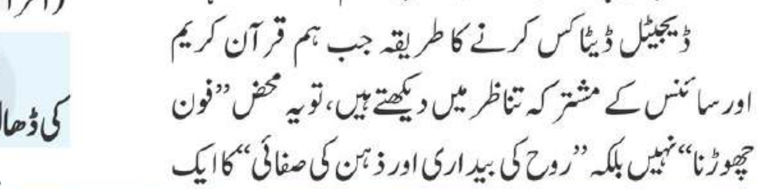

[19](النساء:60) [20](بنی اسرائیل:36) [21](النازعات:40) [22](الفرقان:62)

دیں- سائنس کہتی ہے کہ بے رنگ اسکرین دماغ کو کم کشش لگتی ہے، یوں آپ کی "نظر کی حفاظت" آسان ہو جاتی ہے-

سرکٹ بریکنگ (Circuit Breaking) خلوت اور ڈیجیٹل اعتکاف

سائنسی نکتہ: پرانی عادات کے اعصابی جال / سرکٹس توڑنے کیلئے ماحول کی تبدیلی اور ارادی تنہائی ضروری ہے-

قرآنی منہج: روزانہ کم از کم ایک گھنٹہ (ترجیحاً فجر کے بعد) اور ہفتے میں ایک دن چند گھنٹے "ڈیجیٹل اعتکاف" کریں- فون کو دوسرے کمرے میں رکھ کر مصلے یا فطرت کے سائے میں "خلوت" اختیار کریں- روزانہ کا کچھ وقت ڈیجیٹل دنیا سے کاٹ کر "ڈیجیٹل اعتکاف" کے لیے وقف کرنا بصیرت کے بند دروازے کھول دیتا ہے- تنہائی میں کیا گیا "تفکر" ہی انسان کو اپنی ذات سے ملواتا ہے-

میلاٹونن بوسٹ (Melatonin Boost) نظامِ لیل ونہار اور شب بیداری سے گریز

سائنسی نکتہ: نیلی روشنی (Blue Light) میلاٹونن ہارمون کو روکتی ہے، جس سے نیند اڑ جاتی ہے-

قرآنی منہج: لیل و نہار کا نظام: اللہ نے رات کو سکون کے لیے بنایا ہے- سونے سے 2 گھنٹے پہلے موبائل کو "وقتِ ممنوعہ" قرار دیں- اس وقت میں نماز، تلاوت، مراقبہ، تصور اسم اللہ ذات، کلمہ شریف و درود پاک کا اہتمام کریں- یہ عمل سائنسی طور پر دماغ میں الفا لہریں (Alpha Waves) پیدا کر کے گہری نیند لاتا ہے-

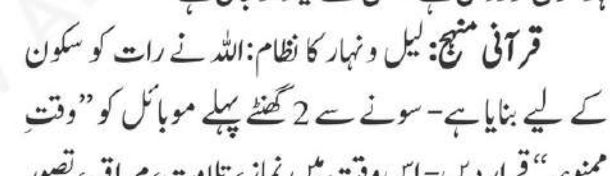

نیوروپلاسٹی سٹی (Neuroplasticity) متبادل غذا اور ذہنی ارتقاء

سائنسی نکتہ: انسانی دماغ کبھی معطل نہیں رہتا؛ اگر ایک عادت ختم ہو گی تو اس کی جگہ کسی دوسری تعمیری سرگرمی کو لانا ہو گا-

قرآنی منہج: اسکرین سکرولنگ کے وقت کو تلاوتِ قرآن اور مطالعہ سے بدلیں- قرآن کا فہم دماغ کے Prefrontal Cortex (دماغ کا وہ پیشانی والا حصہ جو فیصلے کرنے اور جذبات پر قابو پانے کا مرکز ہے) کو متحرک کرتا ہے جس سے توجہ (Focus) بڑھتی ہے-

اختتامی کلمات:

مذکورہ بالا آیات اور ڈیٹاکس کی حکمت عملی یہ واضح کرتی ہے کہ ٹیکنالوجی بذاتِ خود شر نہیں، بلکہ اس کا بے لگام استعمال ہماری 'روحانی بصارت' کو ختم کر دیتا ہے- ایک نوجوان کیلئے ڈیجیٹل ڈیٹاکس محض وقتی لاتعلقی نہیں، بلکہ 'تزکیہ نفس' کی وہ جدید شکل ہے جو اسے اسکرین کی غلامی سے نکال کر حاکمیتِ نفس عطا کرتی ہے- اس قرآنی منہج کی بنیاد نفسیاتی سہولت کے بجائے اخلاقی جواب دہی اور مقصدِ حیات پر قائم ہے، جو ذہنی دباؤ میں کمی اور داخلی استحکام کا باعث بنتی ہے- جب انسان اسکرین کے سحر سے نکل کر فکری یکسوئی پاتا ہے، تو اس کی توجہ کی بازیافت علمی گہرائی اور تخلیقی ارتقاء کی ضامن بن جاتی ہے، جس سے زندگی محض مصروفیت نہیں بلکہ ایک بامقصد حقیقت بن کر ابھرتی ہے-

☆☆☆

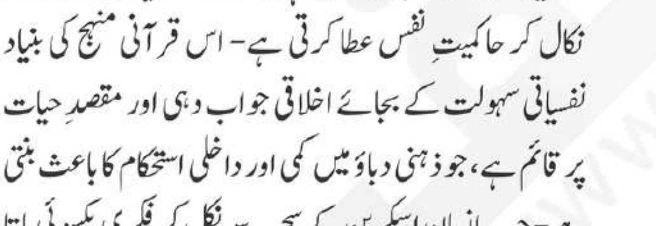

موسمیاتی تبدیلی اور ہماری زمین:

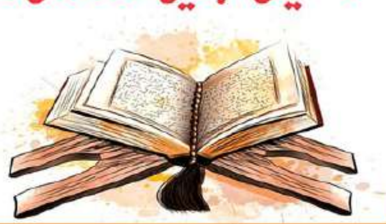

قرآن مجید اور سیرت النبی (ﷺ) سے اخلاقی زاویۂ نظر

صاحبزادہ سلطان احمد علی

آج دنیا میں کسی بھی جاندار (Living being) یا حتیٰ کہ بے جان (Non-living) شے کی بات کی جائے، تو ہر چیز کے اوپر ایک وجودی خطرہ (Existential threat) مسلّط (Imposed) ہے- اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسانوں نے فطرت کے ساتھ غیر محتاط چھیڑ چھاڑ کی ہے- ہم نے فطرت کو نقصان پہنچایا ہے اور اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ فطرت یا تو ہم سے انتقام لے رہی ہے، یا پھر وہ خود کو ازخود بحال (Rehabilitate) کرنے کے عمل میں ہے اور اس عمل کی نوعیت کو ہم پوری طرح سمجھ نہیں پا رہے- ظاہر ہے کہ جو لوگ اس میدان کے ماہر ہیں، جو اس سائنس کو جانتے ہیں، وہی بہتر طور پر ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں کہ اصل میں یہ سب کیا ہے؟

اقوامِ متحدہ کے تحت حیاتیاتی تنوع (Biodiversity) سے متعلق معاہدے، جنگلی جانوروں کی ہجرت کرنے والی اقسام کے تحفظ کا کنونشن (Convention on the Conservation of Migratory Species of Wild Animals) کی 2024 کی رپورٹ کے مطابق، مہاجر اقسام (Migratory Species) میں سے تقریباً 44 فیصد ایسی ہیں جو ختم ہونے یا معدومیت (Extinction) کے سنگین خطرے سے دوچار ہیں- ان مہاجر اقسام میں نیلی وہیل (Blue Whale)، گریٹ ہیمرہیڈ شارک (Great Hammerhead Shark)، بیلوگا (Beluga) اور اس طرح کی کئی دوسری اہم اقسام شامل ہیں، جو مختلف خطوں کے درمیان نقل مکانی کرتی ہیں-

اسی کنونشن کے مطابق، ان مہاجر انواع میں شامل مچھلیوں (Fishes) کی تقریباً 97 فیصد اقسام ایسی ہیں جو معدومیت کے خطرے (Threatened with Extinction) سے دوچار ہیں- مزید یہ کہ گزشتہ 50 برسوں میں ان مچھلیوں کی مجموعی تعداد میں 90 فیصد تک کمی آچکی ہے-

اسی طرح (Intergovernmental Science-Policy Platform on Biodiversity and Ecosystem Services) کی 2019ء کی رپورٹ کے مطابق، 1900ء سے لے کر 2019ء تک کے عرصے میں، سمندری حیات (Marine Life) اور زمین پر موجود زندگی کی مجموعی اقسام میں سے تقریباً 40 فیصد انواع ختم ہو چکی ہیں- یعنی صرف 119 برسوں میں قدرتی حیات کو ایسا نقصان پہنچا ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں کم ملتی ہے- مزید وہ ممالیہ جانور جو پانی میں زندگی گزارتے ہیں لیکن انڈوں کے بجائے بچوں کو جنم دے کر اپنی نسل بڑھاتے ہیں، جیسے ہاربر سیلز (Harbor Seals)، ایلیفنٹ سیلز (Elephant Seals) اور سی لائنز (Sea Lions) وغیرہ، ان کی مجموعی تعداد میں تقریباً ایک تہائی- کمی آ چکی ہے- اسی طرح ریڑھ کی ہڈی والے جانور (Vertebrate Species) میں سے تقریباً 680 اقسام گزشتہ 200 برسوں کے دوران مکمل طور پر ختم ہو چکی ہیں- مزید یہ کہ جو ممالیہ جانور گھریلو سطح پر پالے جاتے ہیں (Domestic Mammals)، ان میں سے بھی تقریباً 9 فیصد اقسام ختم ہو چکی ہیں، جبکہ قریباً ایک ہزار ایسی اقسام موجود ہیں جو اس وقت معدومیت کے خطرے سے دوچار ہیں- اگر ہم حشرات الارض (Insects) کی بات کریں، تو اس عرصے میں ان کی مجموعی تعداد میں بھی تقریباً 10 فیصد تک کمی واقع ہو چکی ہے-

کورل ریف (coral reef) سمندری حیات کا ایک نہایت پیچیدہ اور قدیم نظام ہے، جو مرجان (coral) نامی جانداروں کے ذریعے تشکیل پاتا ہے- یہ جاندار اپنی حفاظت

کے لیے کیلشیم کاربونیٹ کا خول بناتے ہیں، اور ہزاروں برسوں میں یہی عمل مل کر وسیع کورل ریف کی صورت اختیار کر لیتا ہے- اس کے نتیجے میں ایک مکمل ایکوسسٹم (ecosystem) وجود میں آتا ہے، جس میں بے شمار سمندری انواع آکر رہائش اختیار کرتی ہیں- اسی وجہ سے کورل ریف کو "Rainforest of the Sea" کہا جاتا ہے- کورل ریف کی بقا ایک خاص ماحول سے وابستہ ہے، جس میں پانی کا مناسب درجۂ حرارت، شفافیت، نمکیات کا توازن اور آلودگی سے پاک ماحول شامل ہے- ماحول میں معمولی تبدیلی بھی اس نازک نظام کو شدید نقصان پہنچا سکتی ہے، جس سے نہ صرف کورل ریف بلکہ اس سے وابستہ پوری سمندری حیات خطرے میں پڑ جاتی ہے- عالمی رپورٹس کے مطابق سمندری حیات اس وقت شدید خطرات سے دوچار ہے-

ورلڈ اکنامک فورم کے اندازوں کے مطابق موسمیاتی تبدیلی کے باعث کورل ریف اس صدی کے وسط تک بڑے پیمانے پر ختم ہو سکتی ہیں، حالانکہ سمندری زندگی کا تقریباً ایک چوتھائی حصہ کورل ریف پر منحصر ہے- جبکہ اس صدی کے اختتام تک دنیا بھر سے کورل ریف ختم ہونے کا خدشہ ہے- اقوامِ متحدہ کی رپورٹ کے مطابق 2009ء سے 2018ء کے درمیان دنیا بھر میں تقریباً 14 فیصد کورل ریف پہلے ہی ختم ہو چکی ہیں، جو اس نازک ایکوسسٹم کے تیزی سے بکھرنے کی علامت ہے-

اقوامِ متحدہ کی 2025ء کی رپورٹ یہ بھی بتاتی ہے کہ 1974 میں عالمی سطح پر اوورفشنگ تقریباً 10 فیصد تھی، جو اب بڑھ کر 35 فیصد تک پہنچ چکی ہے، اور یہ سطح فشریز کی پائیدار حد (Sustainable Range) سے کہیں زیادہ ہے- پائیدار حد سے مراد یہ ہے کہ جتنی مچھلیاں پکڑی جائیں، قدرتی نظام میں اتنی ہی مچھلیاں تعداد میں دوبارہ پیدا ہو جائیں- لیکن جب اس حد سے تجاوز کیا جائے تو نظام وقتی طور پر تو چلتا ہے، مگر بالآخر تباہ ہو جاتا ہے- آج عالمی فشنگ انڈسٹری اسی حد سے باہر جا چکی ہے-

اسی طرح سطح سمندر میں مسلسل اضافہ مالدیپ، مارشل آئی لینڈ، سولومن آئی لینڈ اور دیگر کئی جزائر کے وجود کے لیے خطرہ بن چکا ہے- ورلڈ اکنامک فورم اور اقوامِ متحدہ سمیت متعدد اداروں کی رپورٹس کے مطابق ان میں سے بعض جزائر آئندہ 5 سے 7 دہائیوں میں رہائش کے قابل نہیں رہیں گے اور مکمل طور پر زیرِ آب آ جائیں گے-

مزید یہ کہ 2000ء کے بعد سے پانی سے متعلق قدرتی آفات، جیسے سمندری طوفان، سیلاب اور ساحلی علاقوں میں شدید طغیانی میں تقریباً 34 فیصد اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے- یہ تمام حقائق اس بات کی واضح نشاندہی کرتے ہیں کہ سمندری ایکوسسٹم ایک نازک موڑ پر کھڑا ہے اور انسانی غفلت اس توازن کو تیزی سے بگاڑ رہی ہے-

انٹر گورنمنٹل پینل آن کلائمیٹ چینج (IPCC) کی 2023ء کی رپورٹ کے مطابق 1970ء کے بعد پیش آنے والی قدرتی آفات میں سے تقریباً 44 فیصد آفات پانی سے متعلق ہیں، جن میں سیلاب، طوفان اور ساحلی تباہ کاریاں شامل ہیں- یہ اعداد و شمار اس حقیقت کی طرف واضح اشارہ کرتے ہیں کہ موسمیاتی تبدیلی محض ایک نظریہ نہیں بلکہ انسان کی فطرت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کا براہِ راست نتیجہ ہے، جس کا ردِعمل موسم کے بگاڑ کی صورت میں سامنے آ رہا ہے-

رپورٹس کے مطابق 2021ء کے بعد بڑے پیمانے پر بڑے گلیشیئر کیچمنٹس (Large Scale Glacierised Catchments) کو سالانہ تقریباً 10 فیصد کمی کا سامنا ہو گا اور اس پگھلاؤ اور پانی کے بے قابو بہاؤ سے دنیا بھر میں تقریباً ڈیڑھ ارب افراد متاثر ہو سکتے ہیں- اس تناظر میں پاکستان کو خاص طور پر شدید خطرات لاحق ہیں، کیونکہ دنیا کے بڑے گلیشیئر ذخائر میں ایک نمایاں حصہ پاکستان میں موجود ہے- 2025ء کو عالمی سطح پر گلیشیئر پریزرویشن کا سال قرار دیا گیا، اس مناسبت سے اگرچہ بعض جگہ پہ انفرادی کوششیں ہوئیں، لیکن بطور قوم جس سطح کی ذمہ داری اور سنجیدہ اقدام درکار تھا، وہ نظر نہیں آ سکا-

مزید یہ کہ اگر عالمی درجۂ حرارت میں 2 سے 4 ڈگری سینٹی گریڈ تک اضافہ ہوا تو دنیا کی تقریباً 3 سے 4 ارب آبادی کو پانی کی شدید قلت کا سامنا کرنا پڑے گا- اقوامِ متحدہ کے ترقیاتی پروگرام (UNDP) کی ایک رپورٹ کے مطابق بڑھتی ہوئی ساحلی سیلابی صورتحال (coastal flooding) کے نتیجے میں تقریباً ایک لاکھ 60 ہزار مربع کلومیٹر زمین زیرِ آب آ سکتی ہے،

جبکہ 7 کروڑ سے زائد افراد براہِ راست اس سیلابی زمین (expanding floodplains) کی زد میں آئیں گے-

موجودہ دور کے اے آئی ریولوشن کو بجا طور پر تحسین کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہے- اس نے انسانی زندگی میں بے شمار سہولیات پیدا کی ہیں- مثلاً: تحقیق کی رفتار تیز ہوئی ہے، تجارت اور سفر آسان ہوئے ہیں، طبی شعبے میں نمایاں انقلاب آیا ہے اور خیالات کی ترسیل پہلے سے کہیں زیادہ مؤثر ہو گئی ہے- زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو جہاں مصنوعی ذہانت کا مثبت کردار واضح نہ ہو- لیکن اس کے ساتھ یہ پہلو بھی قابلِ توجہ ہے کہ اے آئی کا یہ پھیلاؤ ماحول پر کس حد تک اثر انداز ہو رہا ہے- ورلڈ اکنامک فورم کے مطابق اوسط سیمی کنڈکٹر انڈسٹری اتنا پانی استعمال کرتی ہے جتنا تقریباً 33 ہزار عام امریکی گھرانے استعمال کرتے ہیں- عالمی سطح پر ڈیٹا سینٹرز سالانہ تقریباً 560 بلین لیٹر پانی استعمال کر رہے ہیں، اور اندازہ ہے کہ 2030 تک یہ مقدار 1200 بلین لیٹر تک پہنچ جائے گی، جو ایک سال میں تقریباً سوا ارب انسانوں کے پینے کے پانی کے برابر ہے-

انٹرنیشنل انرجی ایجنسی کے مطابق ڈیٹا سینٹرز اس وقت تقریباً 415 ٹیرا واٹ گھنٹے بجلی استعمال کر رہے ہیں، اور ان کی توانائی کی طلب سالانہ 12 فیصد کی شرح سے بڑھ رہی ہے، جو 2030ء تک دوگنی ہو جائے گی- جتنا زیادہ اے آئی ٹولز کا استعمال بڑھتا ہے، اتنا ہی زیادہ بوجھ ڈیٹا سینٹرز پر پڑتا ہے- حتیٰ کہ اے آئی کے ساتھ غیر ضروری طویل یا غیر مربوط تعامل بھی توانائی کے اضافی استعمال کا باعث بنتا ہے، جبکہ سادہ اور براہِ راست استعمال نسبتاً کم توانائی خرچ کرتا ہے-

اس سارے تناظر میں مجھے یہ احساس ہوا کہ ایک محقق کو جو بنیادی تربیت دی جاتی ہے، اس میں واضح طور پر بتایا جاتا ہے کہ تحقیق کے اپنے مخصوص ٹولز ہوتے ہیں: ریفرنس بکس، انسائیکلوپیڈیاز، کیٹلاگز، لائبریری کے جرنلز وغیرہ- تحقیق کے وقت انہی مصادر کی طرف عمومی طور پہ رجوع کیا جاتا ہے- لیکن ہم نے ایک عادت یہ بنالی ہے کہ کوئی بھی کام ہو، فوراً چیٹ جی پی ٹی یا کسی اے آئی ٹول کو کھول لیا جائے، گویا وہی ہمارا انسائیکلوپیڈیا بھی ہے، ریفرنس بک بھی، کیٹلاگ بھی اور ریسرچ جرنل بھی-

اس طرزِ عمل میں ایک عام آدمی یہ نہیں سوچتا کہ وہ بالواسطہ طور پر ڈیٹا سینٹرز کی بڑھتی ہوئی پانی اور بجلی کی کھپت میں اپنا حصہ ڈال رہا ہے، حالانکہ اس کے پاس زیادہ مستند اور نسبتاً ماحول دوست متبادل موجود ہیں، جیسے یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود انسائیکلوپیڈیاز اور تحقیقی جرنلز- جب یہ ذرائع دستیاب ہوں تو ہر معاملے میں اے آئی پر انحصار کرنا نہ علمی ضرورت ہے اور نہ اخلاقی مجبوری-

اگر ہم واقعی اس کرۂ ارض سے محبت کرتے ہیں، جس پر ہم زندگی بسر کر رہے ہیں، اور جس پر ہم سے پہلے سینکڑوں نسلیں آچکی ہیں، تو ہمیں یہ بھی سوچنا ہوگا کہ ہمارے بعد آنے والی نسلوں کے لیے ہم کیسی زمین چھوڑ کر جا رہے ہیں- کسی یتیم سے اگر یہ کہا جائے کہ تمہارے والد تمہارے بارے میں بُرا سوچتے تھے، تو کوئی اسے قبول نہیں کرتا- ہر انسان اپنے باپ، دادا اور بزرگوں کے بارے میں اچھا ہی سننا اور کہنا چاہتا ہے- میں اکثر سوچتا ہوں کہ آنے والی نسلیں ہمیں موسمیاتی بحران کے تناظر میں کیسے یاد کریں گی؟ کیا وہ یہ کہیں گی کہ ہمارے آباؤاجداد نے ہمارے حصے میں ایسی زمین چھوڑ دی جہاں نہ توانائی بچی، نہ پانی، نہ فطرت؟

وہ یہ بھی ضرور سوچیں گے کہ انہوں نے زمین کو امانت نہیں بلکہ بطور مالِ غنیمت کے استعمال کیا، تو اب خود فیصلہ کر لیں کہ آنے والی نسلیں ہمیں معمار کہیں گی یا مجرم؟ یہ جملہ محض ایک شکوہ نہیں، یہ انسانی ضمیر کے کٹہرے میں کھڑا ایک سوال ہے، ایسا سوال جس کا جواب الفاظ میں نہیں، بلکہ عمل میں دینا ہوگا-

والدین خود مشکلات برداشت کرتے ہیں تاکہ ان کے بچے سہولت سے زندگی گزار سکیں- اسی اصول کو اگر ہم اجتماعی سطح پر اپنائیں تو لازم ہے کہ ہم اپنی سہولت کیلئے زمین کو ناقابلِ رہائش نہ بنائیں- اس لیے جن معاملات میں ہم اے آئی ٹولز کے بغیر کام چلا سکتے ہیں، وہاں ہمیں ضرور ایسا کرنا چاہیے تاکہ ترقی بھی برقرار رہے اور فطرت کو بھی محفوظ بنایا جائے- تاکہ ہم آنے والی نسلوں کے آگے سرخرو ہو سکیں-

اگر درختوں کی بات کی جائے تو Botanic Gardens Conservation International (BGCI) کی رپورٹ

کے مطابق دنیا میں درختوں کی تقریباً ایک تہائی انواع معدومیت کے خطرے سے دوچار ہیں- اسی طرح اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارے فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن (FAO) کے مطابق ہر سال تقریباً ایک کروڑ ایکڑ جنگلات زمین سے ختم ہو رہے ہیں، جو ماحولیاتی توازن کے لیے ایک سنگین خطرہ ہے-

وائلڈ لائف کے حوالے سے صورتحال اس سے بھی زیادہ تشویشناک ہے- وائلڈ لائف سوسائٹی کی 2025 کی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں پرندوں کی 61 فیصد انواع میں واضح کمی واقع ہو چکی ہے، اور پرندوں کی 48 ہزار سے زائد انواع معدومیت کے خطرے سے دوچار ہیں- پاکستان کے تناظر میں انڈس فلائی وے جو پرندوں کی ہجرت کا ایک اہم عالمی راستہ ہے، پر صورتحال خاص طور پر تشویشناک ہے- سندھ وائلڈ لائف ڈیپارٹمنٹ کی رپورٹ کے مطابق گزشتہ دو برسوں میں سندھ کے علاقوں میں ہجرت کرنے والے پرندوں کی تعداد میں 50 فیصد سے زائد کمی ریکارڈ کی گئی ہے-

اعداد و شمار کے مطابق 2023ء میں مہاجر پرندوں کی تعداد تقریباً 12 لاکھ تھی، جو 2024 میں کم ہو کر 6 لاکھ 3 ہزار 900 رہ گئی، اور 2025 میں یہ مزید گھٹ کر 5 لاکھ 45 ہزار تک پہنچ چکی ہے- یہ کمی مسلسل ہے اور اس سے نمٹنا ہمارے لیے ایک بڑا ماحولیاتی اور اخلاقی چیلنج بن چکا ہے- یہ تمام حقائق محض اعداد و شمار نہیں، بلکہ ایک واضح تنبیہ ہیں-

اسی تمہید کے ساتھ میری گفتگو کا دوسرا حصہ اس بنیادی سوال کی طرف لے جاتا ہے کہ ہم، بحیثیت فرد اور بحیثیت معاشرہ، اس بحران سے نکلنے کیلئے کون سا راستہ اختیار کر سکتے ہیں اور اپنی ترقی کو فطرت کی تباہی کے بغیر کیسے ممکن بنا سکتے ہیں؟

اگر ہم ماحولیات، موسمیاتی تبدیلی اور اس پورے خطۂ زمین کو درپیش موجودہ چیلنجز کو سامنے رکھتے ہیں، تو قرآنِ مجید کی یہ آیت ہمارے لیے ایک اہم تناظر پیدا کرتی ہے- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ"[1]

"فرما دیجئے: تم زمین میں (کائناتی زندگی کے مطالعہ کے لئے) چلو پھرو، پھر دیکھو (یعنی غور و تحقیق کرو) کہ اس نے مخلوق کی (زندگی کی) ابتداء کیسے فرمائی"-

اس آیت کریمہ سے سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ زندگی یہاں کیسے پھیلائی گئی اس کی ابتدا کیسے ہوئی؟ مزید ان سوالات کو اگر سورۂ رحمٰن کی آیت نمبر 7 اور 8 کے تناظر میں دیکھیں- جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

"وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ"[2]

"اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور میزان قائم کر دی"-

یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ترازو قائم کر رکھی ہے، اعتدال قائم کر رکھا ہے، توازن پیدا کر دیا ہے، ہر چیز کو ایک ناپ، ایک وزن اور ایک حد میں رکھا ہے- یہ پوری کائنات، یہ فطرت، یہ زمین، سب ایک میزان میں بندھی ہوئی ہیں- پھر اس کے بعد انسان کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ:

"أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ"[3]

"تاکہ تم اس میزان میں زیادتی نہ کرو"-

گویا قرآن کریم ہمیں یہ سبق دے رہا ہے کہ جس توازن پر یہ زندگی قائم ہے، اگر انسان نے اسی توازن کو توڑا، اسی میزان کو پامال کیا، تو اس کے نتائج فطرت کے بگاڑ اور خود انسان کے لیے تباہی کی صورت میں سامنے آئیں گے-

ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پیدا کیا؟

اس سوال کی طرف سب سے پہلے سورۂ عنکبوت میں ہمیں دعوت دی گئی ہے، جہاں انسان کو کہا گیا ہے کہ وہ زمین میں چل پھر کر دیکھے اور غور کرے کہ تخلیق کا آغاز کیسے ہوا؟ جب ہم اس دعوت پر غور کرتے ہیں تو ہمارے سامنے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات اور زندگی کے پورے نظم کو عدل، اعتدال اور توازن پر قائم کیا ہے- یہ کائنات کسی انتشار پر نہیں، بلکہ ایک مضبوط نظم پر کھڑی ہے- ایک ایسے توازن پر جس میں ہر چیز کا ایک مقام، ایک حد اور ایک کردار ہے اور انسان کے لیے اس میں بنیادی ہدایت یہ ہے

[1](العنکبوت:20)
[2](الرحمٰن:7)
[3](الرحمٰن:8)

کہ وہ فطرت کے اندر عدمِ توازن پیدا نہ کرے، اس نظامِ توازن کو بگاڑنے کا سبب نہ بنے-

اسلام کی تعلیمات کو اگر ہم وسیع تر تناظر میں دیکھیں تو کوئی بھی آسمانی کتاب (Divine Scripture) فطرت کی نفی نہیں کرتی- اس کے برعکس، ہر الہامی تعلیم انسان کو فطرت کے تحفظ اور اس کی بقا کی طرف رہنمائی کرتی ہے-

قرآنِ مجید کی ایک خاص بلاغی شان یہ ہے کہ اس کی متعدد سورتوں کے نام ہی فطرت (کائنات، مخلوقات، قدرتی نظام) کی ترجمانی کرتے ہیں- یہ نام محض عنوان نہیں بلکہ قرآنی منہج ہیں جو انسان کو فطرت سے ربط، غور و فکر، محبت اور تعظیم کی دعوت دیتے ہیں- قرآنی سورتوں کے نام براہِ راست یا بالواسطہ فطرت کی نمائندگی کرتے ہیں:

آسمانی و کونیاتی مظاہر پر سورتیں

- الشمس — سورج
- القمر — چاند
- اللیل — رات
- الضحیٰ — چاشت / دن کی روشنی
- الفجر — صبح
- العصر — زمانہ / وقت / عصر
- النجم — ستارہ

اسی لئے اقبال کہتے ہیں کہ:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کُشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشّاف

قرآن مجید کی جتنی بھی تفسیریں لکھی گئی ہیں، ان میں سب سے مشکل اور گہری تفسیر کشّاف ہے جو علامہ زمخشری کی ہے- اس تفسیر میں زیادہ تر قرآنی لسانیات اور گرائمر کے پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے- اگرچہ علامہ زمخشری معتزلہ مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ان کی تفسیر آج بھی تمام مکاتب فکر میں ایک اہم مقام رکھتی ہے، خاص طور پر جب قرآن کریم کی گرامر کو سمجھنا اور سیکھنا ہو-

دوسری اہم تفسیر امام فخر الدین رازیؒ کی تفسیر ہے، جو تفسیرِ کبیر اور مفاتیح الغیب کے نام سے مشہور ہے- امام رازیؒ محض ایک مفسر نہیں تھے، بلکہ وہ بیک وقت فلسفی، متکلم اور قرآن کریم کے عظیم شارح تھے- ان کی علمی شخصیت کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے قرآنِ مجید کی تفسیر کو محض لغوی یا روایتی دائرے تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اسے عقلی، فلسفیانہ اور کلامی مباحث سے جوڑ دیا-

اس لئے اقبال نے کہا ہے کہ اگر انسان قرآن کریم کی یہ دونوں مشکل ترین تفسیریں پڑھ بھی لیں تب بھی قرآن کریم سمجھ نہیں آتا جب تک انسان اس کا نزول اپنے دل پہ محسوس نہ کرے-

زمین اور اس کے نظام پر سورتیں

- الزلزال — زمین کا ہلنا
  یہ پوری سورۃ زمین پر ہے-
- العادیات — دوڑتے گھوڑے (قدرتی قوت)
- البلد — شہر / زمین کا مسکن
- الکہف — غار
- الحجرات — حجرے / کمرے
- الناس — لوگ

نباتات، زراعت اور رزق پر سورتیں

- النحل — شہد کی مکھی
- التین — انجیر
- الزیتون — زیتون

یہ سورتیں واضح کرتی ہیں کہ رزق، نباتات اور خوراک سب فطرت کے ذریعے عطا ہوتی ہیں-

حیوانات اور مخلوقات پر سورتیں

- البقرۃ — گائے
- الأنعام — مویشی
- النمل — چیونٹی
- العنکبوت — مکڑی
- الفیل — ہاتھی

قرآن کریم جانوروں کو حقیر نہیں بلکہ تعلیم، عبرت اور نظمِ فطرت کی علامت بناتا ہے-

قدرتی عناصر پر سورتیں

- الحدید — لوہا
- الدخان — دھواں
- الرعد — گرج
- النور — روشنی

قرآن کریم کی سورتوں کے ناموں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم ہمیں صرف انبیاء کرام اور ان کی اقوام، فتح، قیامت یا قصص سے نہیں جوڑتا، بلکہ فطرت کے مظاہر سے بھی ہمارا تعلق مضبوط کرتا ہے- ہر سورت ہمیں انسانی تجربات اور قدرت کی آیات کے درمیان گہرا ربط دکھاتی ہے، تاکہ ہم دنیا کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی حکمت اور نشانیاں دیکھ سکیں- کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو جو بھی جس جس مقام پہ بیان فرمایا ہے وہ حکمت سے بھرپور بیان کیا ہے- پھر وہ چاہے قرآن کریم کی سورتیں ہوں یا انبیاء کرام (علیہم السلام) کو ان کی صفت کے ساتھ یاد کرنا ہو- الغرض! ایک ایک لفظ اور بات کو اللہ تعالیٰ نے جس جس مقام پہ بیان فرمایا ہے اس کی ایک وجہ اور حکمت ہے-

قرآن کریم کئی مقامات پر یہ پیغام دیتا ہے کہ انسان فطرت کا مالک نہیں، بلکہ اس کا حصہ ہے- اسی لیے فطرت کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے، چاہے وہ پانی کی شکل میں ہو، فصلوں کی صورت میں، گلیشیئر کے روپ میں، یا کسی جاندار کی صورت میں- ہمیں ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے کہ ہم فطرت کے قریب رہیں اور اس کی قدر کریں-

کھاد سے فصل تو بڑھی لیکن
مر گئیں اس سے تتلیاں میری

ہم اپنی پیداوار بڑھانے کی کوشش میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ کرۂ ارض پر کئی انواع معدومیت کے خطرے میں ہیں اور دنیا کا ایکو سسٹم خطرے کی زد میں آگیا ہے- یہ سب اس غفلت کی وجہ سے ہے کہ ہم خود کو فطرت کا حصہ سمجھنے کی بجائے اس کا مالک تصور کرتے ہیں- اس لیے فطرت کی حفاظت ہماری بنیادی انسانی اور بطور مسلمان ہماری ایمانی ذمہ داری ہے-

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى‘‘[4]

’’(زمین کی) اسی (مٹی) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری مرتبہ (پھر) نکالیں گے‘‘-

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم (علیہ السلام) کو مٹی سے تخلیق کیا ہے اور اسی سے ہماری تخلیق کا سلسلہ شروع ہوا- اس تخلیق میں فطرت کے اجزاء شامل ہیں تو اس لئے ہم فطرت کا حصہ ہیں- اس لئے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

’’وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا‘‘[5]

’’اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزے کی مانند اُگایا‘‘-

’’وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ‘‘[6]

’’اور بیشک ہم نے انسان کی تخلیق (کی ابتداء) مٹی (کے کیمیائی اجزاء) کے خلاصہ سے فرمائی‘‘-

لہٰذا! ہم اس فطرت کا حصہ ہیں ہم خود کو فطرت سے الگ نہیں کر سکتے-

قرآن کریم مختلف مقامات پر درختوں کا ذکر یوں فرماتا ہے کہ ہر لفظ اور بیان کے انداز کا اثر سامع یا قاری کے ذہن پر واضح ہوتا ہے- زبان کے ماہرین دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ہر لفظ کس لہجے میں استعمال ہوا ہے اور وہ لہجہ پیغام کو کس طرح پروجیکٹ کرتا ہے- جیسے دوزخ کی وضاحت میں زبان کا اثر خوف اور سنجیدگی پیدا کرتا ہے، فرشتوں کے ذکر میں سکون اور تقدس کا اثر مرتب ہوتا ہے اور قرآن کریم کے اپنے بارے میں بیان میں وقار اور عظمت جھلکتی ہے- اسی طرح جب قرآن درختوں کو بیان کرتا ہے، تو ہر لفظ، ہر تفصیل، قاری کے ذہن میں ایک خاص نقش اور احساس پیدا کرتی ہے، جو نہ صرف فطرت کی اہمیت بتاتا ہے بلکہ اس کی حفاظت کی ضرورت بھی اجاگر کرتا ہے- جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

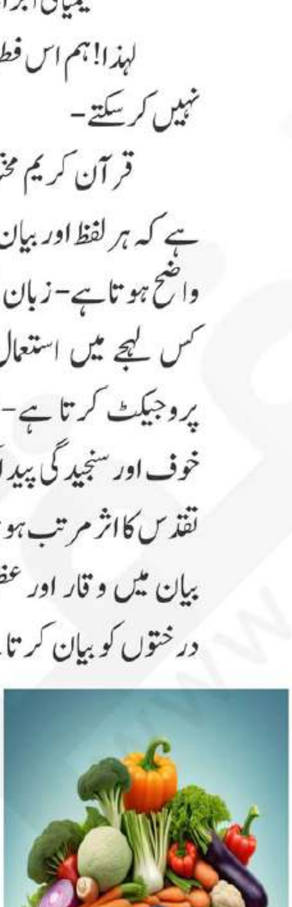

’’فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا‘‘[7]

’’پھر ہم نے اس میں اناج اگایا‘‘-

’’وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا‘‘[8]

’’اور بھری بدلیوں سے زور کا پانی اتارا‘‘-

’’لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا‘‘[9]

’’کہ اس سے پیدا فرمائیں اناج اور سبزہ‘‘-

[4](طٰہٰ:55)
[5](نوح:17)
[6](المؤمنون:12)
[7](عبس:27)
[8](النباء:14)
[9](النباء:15)

"وَجَنّٰتٍ اَلْفَافًا"[10]

"اور گھنے گھنے باغات (اگائیں)"۔

قرآن کریم میں درختوں کے بارے میں اظہار نہایت قابلِ تحسین ہے۔ خالق نے انہیں پیدا کیا اور خود اپنے کلام کے ذریعے ان کی تعریف بیان فرماتا ہے، بالکل ایسے جیسے انسان اپنی محبت یا تعلق کی بنیاد پر کسی چیز کی تعریف کرتا ہے۔ یہ انداز قاری یا سامع کے ذہن میں ان مناظر کا ایک خوشنما نقش چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ، جو مالک اور خالق ہے، درختوں، اناج اور گھنے باغات کو اس قدر تحسین کے ساتھ بیان فرماتا ہے کہ ہم بھی ان ہرے بھرے مناظر سے مانوس ہوں، ان کی قدر کریں اور فطرت کے ساتھ محبت اور تعلق پیدا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کردہ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے فطرت کی تعظیم اور محبت سکھائی ہے۔

انجیر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ"[11]

"انجیر کی قسم اور زیتون کی قسم"

اللہ تعالیٰ نے انجیر کی قسم کھائی یعنی یہ محض پھل نہیں، قابلِ تعظیم فطری نعمت ہے۔ فطرت کی بعض چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی صحت، عقل اور مزاج پر گہرا اثر رکھتی ہیں۔

کھجور

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ"[12]

"اور لمبی لمبی کھجوریں جن کے خوشے تہ بہ تہ ہوتے ہیں"۔

باغات اور انگور

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا"[13]

"(ان کے لئے) باغات اور انگور (ہوں گے)"۔

انار

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"فِيْهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ"[14]

"ان دونوں میں (بھی) پھل اور کھجوریں اور انار ہیں"۔

خوشبودار پودا/پھول

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ"[15]

"اور بھوسہ والا اناج ہے اور خوشبودار (پھل) پھول ہیں"۔

سبزہ اور گھاس

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَقَضْبًا"[16] اور چارہ

بیری کا درخت

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى"[17] "سدرۃ المنتہیٰ کے قریب"۔

کھیتی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ"[18]

"تو کیا اُس (سے کھیتی) کو تم اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں"۔

دنیا کے پھول

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا"[19]

"(عارضی) لطف اندوزی کے لئے دے رکھی ہیں"۔

اللہ تعالیٰ سورہ البقرۃ میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ"[20]

"اور جب وہ (آپ سے) پھر جاتا ہے تو زمین میں (ہر ممکن) بھاگ دوڑ کرتا ہے تاکہ اس میں فساد انگیزی کرے اور کھیتیاں اور جانیں تباہ کر دے، اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا"۔

[10](النباء:16)
[11](التین:1)
[12](ق:10)
[13](النبا:32)
[14](الرحمٰن:68)
[15](الرحمٰن:12)
[16](عبس:28)
[17](النجم:14)
[18](الواقعہ:64)
[19](طٰہٰ:131)
[20](البقرۃ:205)

قرآن کریم میں واضح ہے کہ کھیتیاں جلانا، نباتات کو نقصان پہنچانا، یا پودوں کو جلانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک فساد ہے- اسی طرح جانوں کو تباہ کرنا بھی فساد ہے- اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جگہ دونوں کو ذکر کر کے ہمیں یہ سبق دیا ہے کہ ”يُهْلِكَ الْحَرْثَ“ یعنی زمین اور فصلوں کو تباہ کرنا، ”وَالنَّسْلَ“ یعنی انسانوں کو نقصان پہنچانا، دونوں ہی گناہ کے زمرے میں ہیں- اگر کوئی انسان لوگوں کو مار رہا ہے تو وہ بھی فساد کر رہا ہے، اور اگر کوئی درختوں یا فصلوں کو نقصان پہنچا رہا ہے تو وہ بھی فساد کر رہا ہے- قرآن کریم کے نزدیک یہ دونوں اعمال اللہ تعالیٰ کی نظر میں جرم ہیں-

ایک بہت دلچسپ بحث فارسی ادب کے عظیم شاعر عبد القادر بیدل کی مثنوی ”سنگ و شرر“ میں ملتی ہے- بیدل کہتے ہیں کہ پتھر میں بھی ایک زندگی ہے- اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اپنی مخصوص زندگی اور شعور رکھتی ہے- اس بات کو اسلامی تعلیمات کے تناظر میں یوں دیکھا جا سکتا ہے جیسا کہ جامع ترمذی کی حدیث مبارکہ ہے کہ:

حضرت علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ:

”كُنْتُ مَعَ النَّبِيِّ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بِمَكَّةَ فَخَرَجْنَا فِيْ بَعْضِ نَوَاحِيْهَا فَمَا اسْتَقْبَلَهُ جَبَلٌ وَلَا شَجَرٌ إِلَّا وَهُوَ يَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ“[21]

”میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ مکہ مکرمہ میں تھا تو ہم مکہ کے کسی گوشہ میں تشریف لے گئے تو کوئی درخت اور کوئی پہاڑ ایسا نہ تھا جس نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ“ نہ کہا ہو“-

اگر پتھر میں شعور نہیں ہے تو پتھر کو کیسے پتہ چلا کہ میرے قریب سے اس وقت اللہ تعالیٰ کا نبی گزر رہا ہے؟

حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ:

”رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے پھر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لئے منبر بنوایا، جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس پر تشریف فرما کر خطبہ ارشاد فرمایا تو وہ کھجور کا تنا اس طرح رونے لگا جس طرح اونٹنی کا بچہ روتا ہے- پس حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر شریف سے نیچے تشریف لائے اور اس پر اپنا دستِ شفقت پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا“-

”الخصائص الکبری للسیوطی“ اور ”دلائل النبوۃ للبیھقي“ میں روایت ہے کہ:

پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) منبر شریف سے اترے اور اسے چمٹایا (گلے سے لگایا) اور تسلی دی اور فرمایا:

”وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ لَمْ أَلْتَزِمْهُ لَمَا زَالَ كَذَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ حُزْنًا عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ثُمَّ أَمَرَ بِهٖ رَسُوْلُ اللهِ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فَدُفِنَ“

”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں اسے نہ چمٹاتا تو وہ قیامت تک مجھ سے جدائی کے فراق میں اسی طرح روتا رہتا- پھر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس کے بارے میں حکم فرمایا پس اس کی تدفین کی گئی“-

اگر کھجور کا کھوکھلا تنا زندگی اور شعور نہیں رکھتا تو وہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ہجر میں رو کیوں رہا تھا؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ درخت کے اندر صرف زندگی نہیں ہے بلکہ اس کے اندر اپنی نوعیت کا ایک شعور بھی ہے اور اسے یہ پتا ہے کہ اس وقت میرے قریب کون ہے اور مجھ سے دور کون ہے-

آگہی کے سفر میں گوتم نے
پائی ہے آشتی درختوں میں
کوئی پوچھے کلیم سینا سے
کس کی ہے روشنی درختوں میں
رو کے بولا ستونِ حنانہ
عشق ہے یا نبی درختوں میں

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو وادئ طویٰ میں جو نور نظر آیا تھا وہ بھی ایک درخت سے نظر آیا تھا- اس لیے قرآن مجید درخت کاٹنا اور انسانی نسل کو کاٹنا دونوں کو فساد کہتا ہے اور دونوں کے بارے میں کہا ہے کہ:

”إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ“[22]

---

[21](سنن ترمذی، ابواب المناقب)

[22](البقرۃ:205)

"بے شک اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا"-

حضور نبی کریم (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ قَطَعَ سِدْرَةً صَوَّبَ اللّٰهُ رَأْسَهُ فِي النَّارِ"[23]

جو شخص بلاضرورت بیری کا درخت کاٹے، اللہ اس کا سر جہنم میں جھکا دے گا-

رسول اللہ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا:

"لَا تَقْطَعُوا الشَّجَرَ، فَإِنَّهُ عِصْمَةٌ لِلْمَوَاشِي فِي الْجَدْبِ"[24]

"درختوں کو نہ کاٹو، اس لیے کہ وہ خشک سالی کے وقت جانوروں کے لیے ڈھال اور ذریعہ بقا ہوتے ہیں"-

کئی رپورٹس میں بتایا گیا ہے کہ مالیاتی بینک ایسی کمپنیوں کے ساتھ معاہدے کرتے ہیں جو جنگلات کی کٹائی میں ملوث ہیں، اور اس سے کئی بلین ڈالر کماتے ہیں- مثلاً 2016 سے اب تک بینکوں نے ڈی فورسٹیشن (deforestation) میں ملوث کمپنیوں کو تقریباً 429 بلین ڈالر فراہم کیے ہیں- یہ حقیقت واضح کرتی ہے کہ انسانی سرگرمیاں کس طرح فطرت کے لیے خطرہ بن رہی ہیں- اسی لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے درختوں اور جنگلات کی حفاظت کریں اور فطرت کے ساتھ تعلق کو سنجیدگی سے سمجھیں- کیونکہ قرآن کریم ہمیں فطرت کی تعظیم اور اس سے محبت کرنا سکھاتا ہے جیسا کہ سورۃ الکہف میں کتے کو دیکھیں، جس کو انتہائی قابل تحسین انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ:

"وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ"[25]

"اور ان کا کتا (ان کی) چوکھٹ پر اپنے دونوں بازو پھیلائے (بیٹھا) ہے"-

حالانکہ اس طرح بھی کہا جا سکتا تھا، غار کے منہ پر، غار کے دہانے پر کتا بیٹھا تھا، لیکن اس طرح نہ کہنا اور اس طرح بیان کرنا کہ "وَكَلْبُهُمْ" اور اُن کا کتا، یہ انداز بیاں، اپنے اندر کئی اسرار و رموز تو رکھتا ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمیں کس طرح نفیس انداز میں فطرت کے ساتھ جوڑتا بھی ہے- حالانکہ انسان اور کتا ایک Species کے نہیں ہیں، ایک پاک ہے اور دوسرا ناپاک، لیکن فطرت کس انداز میں اصحابِ کہف کے ساتھ ان کے تعلق کو جوڑ کر سمجھا رہی ہے کہ کہیں اس ناپاک کو ناپاک سمجھ کر اس کے دشمن نہ ہو جائیں- دراصل قرآن کریم اس نفرت کا خاتمہ کر رہا ہے جو فطرت کے حسن کیلئے خطرہ بن سکتی ہے-

قرآن کریم کی ایک اور مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں، آپ فطرت کے اصولوں کو سمجھیں کہ فطرت ہمیں کس طرح چیزوں کے ساتھ جوڑتی ہے اور ان کی قدر کو واضح کرتی ہے- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ"[26]

"اور اپنے گدھے کو دیکھ (کہ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں)"-

دیکھیں کہ فطرت کس طرح ہمیں چیزوں کے ساتھ جوڑتی ہے "حِمَارِكَ" میں گدھے کی نسبت حضرت عزیر (علیہ السلام) کی طرف کی جا رہی ہے اور پھر دوسری بات کہ وہ گدھا گل سڑ گیا تھا- لیکن قرآن کریم کہہ رہا ہے:

"وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ"

"اور اپنے گدھے کی طرف دیکھ"-

تو فطرت کے حسن کو برقرار رکھنے کیلئے چیزوں کے ساتھ جڑے رہنا، لازم ہے، قرآن کریم ہمیں یہی تعلیم دیتا ہے- انسان کی اشیائے کائنات سے کنارہ کشی فطرت کی زندگی اور حسن کیلئے خطرہ ہے- سورۃ النمل میں چیونٹی کو دیکھیں کہ کس طرح انتہائی خوبصورتی سے اس کا ذکر کیا گیا ہے کہ:

"قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ ۝ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا"[27]

"ایک چیونٹی کہنے لگی: اے چیونٹیو! اپنی رہائش گاہوں میں داخل ہو جاؤ- تو وہ (یعنی سلیمان) اس (چیونٹی) کی بات سے ہنسی کے ساتھ مسکرائے"-

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان (علیہ السلام) فطرت کی حکمت کو تسلیم کرتے ہیں اور چیونٹی کے شعور کی توہین نہیں کرتے-

[23](سنن ابی داود، کتاب الادب)

[24](المصنف عبد الرزاق)

[25](الکہف:18)

[26](البقرۃ:259)

[27](النمل:18-19)

قرآن کریم میں فطرت کی اہمیت کو کئی واقعات کے ذریعے اجاگر کیا گیا ہے- حضرت موسیٰ اور حضرت یونس (علیہما السلام) کے مچھلیوں کا واقعات، ہدہد کا واقعہ جو حضرت سلیمانؑ کیلئے ملکہ بلقیس کی خبر لاتا ہے، ابابیل کا واقعہ جو حق کے محافظ کے طور پر ظاہر ہوتا ہے، اور شہد کی مکھی، جس کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے کہ اس پر وحی نازل ہوتی ہے، یہ سب ظاہر کرتے ہیں کہ ہر مخلوق اپنی حیثیت میں اللہ تعالیٰ کے تخلیق کائنات کے منصوبے کا حصہ ہے اور ہر مخلوق میں ایک مخصوص کردار اور اہمیت موجود ہے- اسی طرح ایک اور مقام پہ آتا ہے کہ:

"وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً"[28]

اور (اُسی نے) گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو (پیدا کیا) تاکہ تم ان پر سواری کر سکو اور وہ (تمہارے لئے) باعثِ زینت بھی ہوں-

اسی طرح ہوا کے بارے میں فرمایا:

"وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًا"[29]

اور وہی ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے-

الغرض! جتنی بھی سپیشیز ہیں قرآن مجید انہیں قابل تحسین انداز میں بیان کرتا ہے- بلکہ قرآن کریم نے جانوروں کو محض مخلوق نہیں بلکہ امّتیں قرار دیا ہے:

"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ یَّطِیْرُ بِجَنَاحَیْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ"[30]

”اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں اڑتا ہے مگر تم جیسی اُمّتیں“-

جانوروں کا احترام فطرت سے محبت کا لازمی جز ہے اور مخلوقات کی قدر اور حفاظت کرنا محبتِ فطرت کا قرآنی تصور ہے- رزق کی ضمانت فطرتی کفالت کا منہ بولتا ثبوت ہے- جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا"[31]

”اور زمین میں کوئی چلنے پھرنے والا (جاندار) نہیں ہے مگر (یہ کہ) اس کا رزق اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے“-

فطرت میں رزق کی تقسیم متوازن ہے اور یہ توازن اس وقت بگڑتا ہے جب انسان مداخلت کرتا ہے تو انسان کی فطرت میں بے جا مداخلت سے قحط پیدا ہوتے ہیں-

قرآن کریم میں جن انبیاء کرام (علیہم السلام) کا ذکر کیا گیا وہ تمام انبیاء کرام فطرت سے محبت کرتے ہیں اس کو سراہتے ہیں- اور کسی نبی نے کبھی بھی ان چھوٹی اور بے جان چیزیں جنہیں ہم مویشی، چیونٹی، درخت، پتھر، ہوا، پھول کہتے ہیں، اس کی توہین نہیں کی اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ان کے شعور کو نہ سمجھا ہو- اسی طرح حضرت داؤد (علیہ السلام) کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے کہ جب وہ تسبیح کرتے تھے تو پہاڑ بھی ان کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے-

اسی فطرت کے متعلق سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ انسان کو دعوت دیتا ہے کہ غور و فکر کرو کہ اس نے کیسے فطرت کو ابتداء میں پھیلایا- جس کی رہنمائی سورۃ الرحمٰن میں ملتی ہے کہ اس نے اس کائنات میں میزان کو قائم کیا- کیونکہ کوئی بھی آسمانی صحیفہ (divine scripture) فطرت کی نفی نہیں کرتا بلکہ وہ ہمیشہ فطرت کو محفوظ بنانے کی ترغیب دیتا ہے- اللہ عزوجل کا آخری نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آخری کتاب قرآن کریم ہمیں فطرت سے جوڑتے ہیں اور اس فطرت پہ ہماری آئندہ نسلوں کی زندگی کا دار و مدار ہے- یہ موضوع ایک بہت بڑا پراجیکٹ ہے اگر ہم لوگوں کی تربیت کرنا چاہتے ہیں کہ کس طرح ہم ایک مذہب کے ماننے والے ہو کر اس کی تخلیق اور اس فطرت کی حفاظت کر سکتے ہیں-

☆☆☆

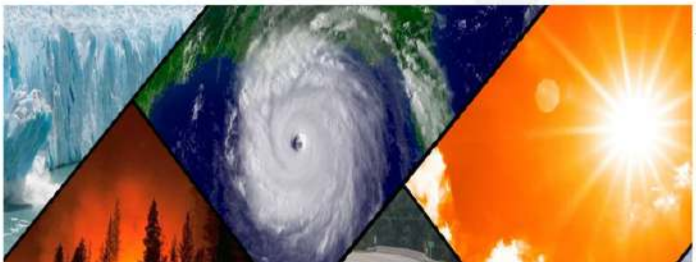

---

[28](النحل:8)

[29](الأعراف:57)

[30](الأنعام:38)

[31](هود:6)

قرآنِ پاک کی تفہیم میں علم الکلام کی اہمیت

مختصر جائزہ

مفتی میاں عابد علی ماتریدی

بلاشبہ اسلامی فکر کی اساس عقیدہ پر استوار ہے- اگرچہ اوائلِ اسلام میں اعتقادی مسائل پر عقلی بحث و مباحثہ کی چنداں ضرورت نہیں تھی کیونکہ صاحبِ قرآن یعنی رسول اللہ (ﷺ) کی ذاتِ گرامی بنفسِ نفیس دنیا میں تشریف فرما تھی اس لئے قرآن و حدیث میں جو حکم جس طرح وارد ہوتا اس کو بلا تامل بعینہ قبول کر لیا جاتا- صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کے ہاں عقیدہ اور سارے کا سارا دین اسی بات کا نام تھا کہ آقا کریم (ﷺ) نے جو ایک بات ارشاد فرمادی ہے، بس حضور کا فرمانا ہی کافی ہے-

عہدِ رسالت مآب (ﷺ) کے بعد خلافِ راشدہ کے اختتام پر عقل پر مبنی اعتقادی بحثیں شروع ہو گئیں اور اختلافِ رائے میں بتدریج شدت پیدا ہوتی گئی یہاں تک کہ کئی اعتقادی فرقے وجود میں آ گئے اور عقائد کو محض نقلی دلائل کی بجائے عقل اور فلسفہ کے تناظر میں بھی دیکھا جانے لگا- جس سے باقاعدہ علم الکلام نے جنم لیا اور کئی کلامی طبقات وجود میں آ گئے- ساتھ ہی ساتھ اسلامی عقائد کی مکمل عقلی توجیہ بیان کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تاکہ فلسفیانہ سوالات کا مکمل عقلی جواب دیا جائے اور اسلام کے بنیادی عقائد پہ اٹھائے جانے والے کسی بھی عقلی سوال کا قابلِ تشفیع جواب دیا جائے-

’’علم کلام کہتے ہی اس علم کو ہیں جس کے ذریعہ اسلامی معتقدات کو نقلی اور عقلی دلائل سے ثابت کیا جا سکے اور ان پر وارد ہونے والے اعتراضات خواہ وہ اسلام کی طرف منسوب منحرف فرقوں کی طرف سے ہوں، یا غیر مسلموں کی طرف سے، اُن کا رد کیا جائے‘‘-

عصرِ حاضر میں جب اسلامی عقائد کو عقلی، سائنسی اور فلسفیانہ اعتراضات کا سامنا ہے تو علمِ کلام کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ یہ قرآنِ کریم کے پیش کردہ بنیادی عقائد کو عقلی دلائل کے ساتھ واضح کرتا ہے اور ایسی فکری و نظریاتی گمراہیوں کا رد کرتا ہے جو توحید، نبوت اور آخرت کے بارے میں انسانی فکر کو انتشار کا شکار بناتی ہیں-

قرآن مجید میں کئی مقامات پہ انسان کو تفکر و تدبر اور عقل سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے- مثلاً ارشادِ ربانی ہے:

’’اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ‘‘[1] ’’تو کیا تم نہیں سوچتے؟‘‘

قرآن کریم کے عقل و فہم کو استعمال کرنے کے ایسے احکامات کو علم الکلام کی بنیاد بھی بنایا گیا- زیرِ نظر مضمون میں قرآن کریم میں بیان کردہ بنیادی عقائد اور ان کی جزئیات و متعلقات کی تفہیم و معرفت کے لیے علم الکلام کی اہمیت و ضرورت پر روشنی ڈالی جائے-

عقیدہ کا مفہوم و اہمیت:

علمِ عقائد کی اصطلاح میں عقیدہ اس پختہ، قطعی اور غیر متزلزل یقین کو کہتے ہیں جو دل میں اس طرح راسخ ہو جائے کہ اس میں کسی قسم کا شک، تردّد یا احتمال باقی نہ رہے اور جس پر انسان دل سے مطمئن ہو، تمام عقائد اسی کے مصداق ہیں- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے‘‘-[2]

توحید کا شرعی مفہوم:

دینِ اسلام میں عقیدہ توحید پہلا اور بنیادی رکن ہے- تصورِ توحید کی بنیاد تمام معبودانِ باطلہ کی نفی کرنا اور ایک اللہ کے اقرار و تصدیق پر ہے-

’’شریعت میں یہ عقیدہ رکھنا توحید ہے کہ اللہ اپنی ذات و صفات اور جملہ اوصاف و کمالات میں یکتا و بے نظیر و بے مثال ہے، اس کا کوئی ساجھی (برابر) یا شریک نہیں، کوئی اس کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں‘‘-[3]

توحید نہ صرف قرآن مجید کا حکم ہے؛ بلکہ عقل کا تقاضا بھی ہے- خدا علیم و حکیم ہے اور کائنات کی تمام چیزوں کی تدبیر فرماتا ہے اور جب کسی بات کا فیصلہ کرنا ایک سے زیادہ افراد کے اختیار

[1](البقرۃ:44)

[2](الحجرات:15)

[3](اسلامی عقائد و مسائل، ص:78)

میں ہوتو اختلاف رائے پیدا ہونا، پھر اس اختلاف کی وجہ سے نزاع کا پیدا ہونا اور اس نزاع کا باعث فساد بننا بالکل ظاہر ہے- اگر کائنات کے کئی خدا ہوتے تو تسلسل اور نظم وضبط کے ساتھ اس کا نظام قائم نہ رہ پاتا، تو یہ کائنات فساد اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی؛ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور (بھی) معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے"-[4]

خدا اور انسان کی صفات میں فرق:

انسان اور خدا کی صفات میں بنیادی فرق خالق اور مخلوق کا ہے؛ خدا واجب الوجود، لامحدود اور ہر صفت (یعنی علم، قدرت، حیات) میں مکمل ہے، جبکہ انسان محدود، فانی اور خدا کے حکم سے وجود میں آنے والی صاحبِ شعور مخلوق ہے- خدا کی صفات ذاتی، قدیم اور کامل ہیں، جبکہ انسان کی صفات حادث اور محتاجِ فیضِ الٰہی ہیں-یہی فرق انسان کی عبودیت اور خدا کی الوہیت کے درمیان حد فاصل ہے- ایک خالق ہے جو ہر وجود کا سرچشمہ ہے، اور دوسرا مخلوق- امام ابو منصور ماتریدیؒ لکھتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ کی صفات کی نہ کوئی حد ہے اور نہ کوئی انتہا"-[5]

اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں واحد ماننا:

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذات وصفات باری تعالیٰ کو بیان کیا گیا ہے- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اسی نے تمہارے لئے تمہاری جنسوں سے جوڑے بنائے اور چوپایوں کے بھی جوڑے بنائے اور تمہیں اسی سے پھیلاتا ہے، اُس کے مانند کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے"-[6]

مزید فرمایا:

"وہی (سب سے) اوّل اور (سب سے) آخر ہے اور (اپنی قدرت کے اعتبار سے) ظاہر اور (اپنی ذات کے اعتبار سے) پوشیدہ ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے"-[7]

عقیدہ توحید تمام عقائد کی جڑ اور اصل الاصول ہے، اس کی درستگی کے بغیر انسان اللہ کی رحمت اور حضور نبی کریم (ﷺ) کی سچی محبت وشفاعت کا مستحق نہیں ہو سکتا-

واجب الوجود:

اسلامی عقائد میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے حوالے سے سب سے بنیادی تصور واجب الوجود کا ہے، کیونکہ اسی کے ذریعے خالق اور مخلوق کے درمیان ایک اہم فرق واضح ہوتا ہے-

اصطلاحِ علمِ عقائد میں واجب الوجود وہ ذات ہے جو قائم بذات ہو یعنی اپنے وجود میں غیر کی محتاج نہ ہو، تمام مخلوقات اس کی محتاج ہوں- اس کا اطلاق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارکہ پر درست ہے- قرآنِ مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود اور بے نیاز ہونے کو واضح کیا گیا ہے:

"اللہ، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں"-[8]

"اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز، سزاوارِ حمد وثنا ہے"-[9]

یہ آیات کریمہ اس حقیقت کی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بذاتِ خود قائم، ہر قسم کی حاجت سے پاک اور تمام کائنات کا حقیقی سہارا ہے، جبکہ تمام مخلوقات اس کی محتاج ہیں-

نبوت ورسالت اور اس کے متعلقات:

نبوت ورسالت:

اسلامی عقائد میں توحید کے بعد سب سے بنیادی اور اہم عقیدہ نبوت و رسالت کا ہے، کیونکہ اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے انسانیت تک دینِ حق پہنچایا- جو شخص کسی ایک بھی برحق نبی یا رسول کی نبوت یا رسالت کا انکار کرے وہ ایمان سے خارج ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اور بیشک ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ (لوگو) تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (یعنی شیطان اور بتوں کی اطاعت و پرستش) سے اجتناب کرو"-[10]

---

[4] (الانبیاء:22)

[5] (رسالۃ فی التوحید، ابو منصور ماتریدی، الفصل الثامن، ص46)

[6] (الشوریٰ:11)

[7] (الحدید:3)

[8] (البقرۃ:255)

[9] (فاطر:15)

[10] (النحل:36)

نبی اور رسول میں فرق:

ہر رسول، نبی تو ہے لیکن ہر نبی، رسول نہیں، علامہ عبد القاہر بن طاہر الاسفرائینیؒ فرماتے ہیں کہ:

”رسول اور نبی کے مابین فرق سے متعلق علماء نے فرمایا کہ نبی وہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے کے ذریعے وحی نازل فرمائی اور خرق عادت معجزات کے ذریعے اس کی تائید فرمائی، جب کہ رسول وہ ہے جسے جدید شریعت اور اس سے ماقبل شریعت کے بعض اَحکام منسوخ کرنے کی خصوصیت عطا فرمائی ہو“۔[11]

نبوت و رسالت اسلامی عقائد کی اساس ہے جس پر شریعت، اخلاق اور عملی زندگی کی عمارت قائم ہے۔ نبوت و رسالت محض ایک اعزاز نہیں بلکہ عظیم ذمہ داری ہے، جس کا مقصد انسانیت کی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی حجت کو قائم کرنا ہے۔

معراج النبی (ﷺ):

معراج سے مراد حضور نبی کریم (ﷺ) کا وہ سفر مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ (ﷺ) نے مکہ سے مسجد اقصیٰ اور پھر وہاں سے آسمانوں کی سیر فرمائی اور وہاں تک پہنچے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اس کے علاوہ جنت و دوزخ کا مشاہدہ بھی شامل ہے۔ معراج النبی (ﷺ) تاریخ نبوت، تاریخ انسانیت حتیٰ کہ پوری کائنات میں ایک محیّر العقول واقعہ ہے جس کی کوئی اور نظیر نہیں ملتی، یہ ذاتِ پاکِ مصطفیٰ (ﷺ) کا اعجاز اور بے پایاں اعزاز ہے جس پر اِنسانی عقل آج بھی اَنگشت بدنداں ہے۔ اِنتہائی قلیل وقت میں مسجدِ حرام سے بیت المقدس تک کی طویل مسافت طے ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید واقعہ معراج کا ذکر اِن اَلفاظ میں کرتا ہے:

”وہ ذات پاک ہے جو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اپنے (محبوب اور مقرّب) بندے کو مسجدِ حرام سے (اس) مسجدِ اقصیٰ تک لے گئی جس کے گرد و نواح کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے تاکہ ہم اس (بندۂ کامل) کو اپنی نشانیاں دکھائیں، بیشک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے“۔[12]

سفرِ معراج عالم بیداری میں:

آپ (ﷺ) نے اسراء عالم بیداری میں اپنے جسم اقدس کے ساتھ فرمایا اور اس بات پر استدلال اللہ پاک کا فرمان ہے کہ:

”اور ہم نے تو (شبِ معراج کے) اس نظارہ کو جو ہم نے آپ کو دکھایا لوگوں کیلئے صرف ایک آزمائش بنایا ہے“۔[13]

سفر معراج کی حقانیت پہ علماء متکلمین کے اقوال:

علامہ سعد الدین التفتازانی الشافعی لکھتے ہیں:

”تحقیق نبی پاک (ﷺ) کی معراج کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ مگر یہ کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ (کیا معراج مبارک) حالت نیند میں ہوئی یا بیداری کے عالم میں اور صرف روح کے ساتھ یا جسم کے ساتھ اور صرف مسجد اقصیٰ تک یا آسمان تک (ان باتوں میں اختلاف ہے)“

اس کے بعد علامہ تفتازانی عقیدہ اُمت بیان فرماتے ہیں:

”اور حق بات یہ ہے کہ آپ (ﷺ) نے مسجد اقصیٰ تک بیداری کے عالم میں اپنے جسم مبارک کے ساتھ سفر فرمایا اور اس پر قرآن مجید کی شہادت اور دوسری صدی اور اس کے بعد کے علماء کا اجماع ہے اور اس کے بعد آسمان تک کا سفر احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے اور منکر بدعتی ہے“۔[14]

اس سفر (معراج) کو کسی بھی حوالے سے دیکھیں تو آپ صرف سوچ سکتے ہیں اس کی مثال ناممکن ہے۔

مرتبہ محبوبیت کبریٰ:

آقا کریم (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے مرتبہ محبوبیت کبریٰ سے سرفراز فرمایا کہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتی ہے، اور اللہ تعالیٰ رضائے مصطفےٰ (ﷺ) چاہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اے حبیب مکرم (ﷺ)! یقیناً آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے“۔[15]

”(اے حبیب (ﷺ)!) ہم بار بار آپ کے رُخِ انور کا آسمان کی طرف پلٹنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور بالضرور

[11] (بغدادی، عبد القاہر بن طاہر، الفرق بین الفرق، دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت، ص:206)

[12] (الاسراء:1)

[13] (الاسراء:60)

[14] (شرح المقاصد فی علم الکلام)

[15] (الضحیٰ:5)

آپ کو اسی قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں"۔[16]

مزید فرمایا:

"یقیناً آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا"۔[17]

مرتبہ شفاعت کبریٰ آقا کریم (ﷺ) کیلئے خاص ہے:

"قیامت کے دن مرتبہ "شفاعتِ کبریٰ" حضور نبی اکرم (ﷺ) کیلئے خاص ہے، کہ جب تک حضور (ﷺ) شفاعت کا دروازہ نہیں کھولیں گے، کسی کو مجالِ شفاعت نہیں ہوگی"۔[18]

بلکہ حقیقتاً جتنے شفاعت کرنے والے ہیں، وہ سب ہمارے آقا (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور مخلوقات میں صرف حضور نبی اکرم (ﷺ) شفیع ہیں"۔[19]

علماء کے اقوال:

امام قسطلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

"بعض معتزلہ اور خوارج نے، شفاعت کا اس معنی میں انکار کیا کہ جو گنہگار دوزخ میں داخل ہوگئے، انہیں نکالا نہیں جائے گا اور دلیل کے طور پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان لاتے ہیں: "سو (اب) شفاعت کرنے والوں کی شفاعت انہیں کوئی نفع نہیں پہنچائے گی" نیز یہ قول بھی: "ظالموں کے لئے نہ کوئی مددگار ہوگا، نہ کوئی شفیع ہوگا، جس کی بات مانی جائے"۔ اہل سنت نے ان کا جواب یہ دیا کہ یہ آیات کفار کے بارے میں ہیں۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ شفاعت عقلاً جائز ہے اور دلائل سمعیہ کی بنیاد پر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس واضح فرمان کے سبب: "شفاعت اُسے نفع دے گی جس کے لئے رحمٰن نے اجازت دی اور جس سے وہ راضی ہوا" اور اس واضح فرمان کے سبب "وہ لوگ شفاعت اس کی کریں گے، جسے رب تعالیٰ نے پسند فرمالیا"۔ نیز اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی: "عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو ایسی جگہ کھڑا کرے گا، جہاں سب لوگ آپ کی حمد و ثنا کریں گے"۔ اکثر علمائے امت کے نزدیک یہی تفسیر ہے"۔[20]

تو پتہ چلا کہ شفاعت عقلاً ممکن اور نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے اور آئمہ اہلِ سنت کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

عقیدہ ختم نبوت اور قرآن:

قرآن مجید میں حضور اکرم (ﷺ) کے آخری نبی ہونے کا اعلان، اس آیت مبارکہ میں کیا گیا ہے؛

"محمد (ﷺ) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے"۔[21]

عقیدہ ختم نبوت اقوالِ علماء کی روشنی میں:

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالیؒ فرماتے ہیں پوری امت لفظ خاتم النبیین کا معنی یہی سمجھتی ہے کہ:

"حضور نبی اکرم (ﷺ) کے بعد کبھی کوئی نیا نبی و رسول نہیں آئے گا، اور تمام امت نے یہی مانا ہے کہ اس میں قطعاً کوئی تاویل یا تخصیص نہیں اور اس بات کا منکر (انکار کرنے والا) یقیناً اجماعِ امت کا منکر ہے"۔[22]

قاضی عیاض "الشفاء" اور علامہ شہاب الدین خفاجی اس کی شرح "نسیم الریاض" میں فرماتے ہیں کہ:

"اسی طرح وہ بھی کافر ہے، جو ہمارے نبی کریم (ﷺ) کے زمانے میں، کسی اور کی نبوت کا دعویٰ کرے، جیسے مسیلمہ کذاب و اسود عنسی، یا حضور نبی اکرم (ﷺ) کے بعد کسی نبوت کو مانے (کسی بھی معنی اور مفہوم کے اعتبار سے)۔ اس لئے کہ قرآن و حدیث میں حضور نبی پاک (ﷺ) کے خاتم النبیین ہونے کی صراحت ہے، تو گویا یہ شخص اللہ و رسول کو جھٹلا رہا ہے"۔[23]

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسلمانوں کے عقیدے کے مطابق، ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ حضور نبی کریم (ﷺ) اللہ کے

---

[16] (البقرۃ:144)

[17] (الاسراء:79)

[18] (المعتقد المنتقد، باب نبوت)

[19] (سنن الترمذی، کتاب المناقب)

[20] (شرح الزرقانی علی المواهب اللدنية بالمنح المحمدية، ج:12، ص:323، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان)

[21] (الاحزاب:40)

[22] (الاقتصاد فی الاعتقاد، باب:4، ص:137، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان)

[23] (نسیم الریاض، ج:6، ص:355)

آخری نبی اور رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو اس جہاں میں بھیج کر، بعثت انبیاء کا سلسلہ ختم فرما دیا ہے۔

وحی:

نبوت و رسالت کی اصل بنیاد وحی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان ہدایت کی ترسیل کا ذریعہ وحی ہی ہے۔ وحی کے بغیر نہ شریعت کا تصور مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی احکامِ الٰہیہ انسانوں تک پہنچ سکتے ہیں۔ وحیِ نبوت انبیائے کرام کے لئے خاص ہے، جو اسے کسی غیرِ نبی کے لئے مانے وہ کافر ہے۔ نبی کو خواب میں جو چیز بتائی جاتی ہے وہ بھی وحی ہے۔

قرآنِ مجید میں وحی کے مختلف طریقوں کو بیان کیا گیا ہے:

"اور ہر بشر کی (یہ) مجال نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے"۔[24]

خلاصہ یہ ہے کہ وحی اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ بندوں کے درمیان ہدایت کا یقینی اور محفوظ ذریعہ ہے۔ جس طرح قرآن مجید پر ایمان لانا ہر مکلف (عاقل، بالغ، مسلمان) پر فرض ہے اسی طرح پہلی کتابوں (یعنی تورات، زبور، انجیل) پر بھی ایمان لانا ضروری ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم (ﷺ) سے قبل انبیاء (علیہم السلام) پر نازل فرمائیں، البتہ ان کے جو احکام ہماری شریعت میں منسوخ ہو گئے ان پر عمل درست نہیں مگر پھر بھی ایمان ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض نبیوں پر صحیفے بھی نازل فرمائے، جن کی تعداد تقریباً 104 ہے ان پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اہل ایمان کو اس بارے واضح ہدایت فرمائی جا رہی ہے:

"اور وہ لوگ جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اور جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا (سب) پر ایمان لاتے ہیں"۔[25]

ملائکہ:

ایمان بالغیب کے بنیادی ارکان میں ملائکہ پر ایمان بھی شامل ہے۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی وہ مخلوق ہیں جو اس کے احکام کی تنفیذ، وحی کی ترسیل اور کائناتی نظم کے اجرا پر مامور ہیں۔ قرآن و سنت میں ان کے وجود، اوصاف اور افعال کا واضح بیان ملتا ہے۔

مثال: جیسے تمام فرشتے نور سے پیدا کیے گئے ہیں اور نور آگ سے زیادہ لطیف اور اشرف ہے۔ جبکہ فلاسفہ کے نزدیک فرشتے جواہرِ مجردہ ہیں، یعنی وہ موجود تو ہیں مگر کسی خاص حَیز یا مکان میں مقید نہیں ہوتے۔[26]

قرآنی آیات:

"تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا فرمانے والا ہے، فرشتوں کو جو دو دو اور تین تین اور چار چار پَروں والے ہیں"۔[27]

عصمت انبیاءِ کرام (علیہم السلام):

نبی کا معصوم (گناہوں سے پاک) ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور فرشتے کا خاصہ ہے؛ کیونکہ نبی اور فرشتے کے سوا کوئی معصوم نہیں ہو سکتا۔

"عصمتِ انبیاء کے یہی معنی ہیں، کہ اُن کے لئے حفظِ الٰہی کا وعدہ ہو چکا ہے، جس کے سبب اُن سے گناہ ہونا شرعاً مُحال (ناممکن) ہے"۔[28]

عِصمتِ انبیاء قرآن کریم کی روشنی میں:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اور وہ (اپنی) خواہش سے کلام نہیں کرتے۔ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہے"۔[29]

اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا یوسف (علیہ السلام) کا قول بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم کسی چیز کو بھی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائیں"۔[30]

عصمت انبیاء اور متکلمین کے اقوال:

الفقہ الاکبر میں امام اعظم ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ:

"تمام انبیاء کرام صغیرہ کبیرہ گناہوں اور کفر و بُری باتوں سے پاک ہیں"۔[31]

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ فرماتے ہیں کہ:

[24](الشوریٰ:51)

[25](البقرہ:4)

[26](بغیۃ المرید للمارغنی، ص:16)

[27](الفاطر:1)

[28](الحبائک فی اخبار الملائک، ص:82)

[29](النجم:3-4)

[30](یوسف:38)

[31](الفقہ الاکبر، ص:169)

"یقیناً انبیائے کرام جھوٹ سے پاک ہیں، خاص طور پر ان باتوں میں جن کا تعلق اَحکامِ شریعت اور اصلاحِ امت سے ہے- نیز انبیائے کرام وحی سے پہلے اور بعد بالاِجماع کفر سے معصوم ہیں"-[32]

قرآن وحدیث اور اقوالِ علماء و متکلمین کی روشنی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عصمت ایک صفتِ خاصہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں، یعنی انبیائے کرام اور ملائکہ کو عطا فرمائی ہے، لہٰذا انبیاء کرام (علیہم السلام) گناہِ صغیرہ وکبیرہ سے قبل وبعد اعلانِ نبوّت، پاک ومنزہ ہیں-

معجزاتِ انبیاء:

نبی کے دعویٰ نبوت میں سچا ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نبی اپنے سچے ہونے کا اعلانیہ دعویٰ فرما کر محالاتِ عادیہ یعنی جن کاموں کا عادۃً ہونا ممکن نہ ہو، اُن کے ظاہر کرنے کا ذمہ لیتا ہے اور انکار کرنے والوں کو بھی اُس کے مثل کی طرف بلاتا ہے- اللہ تعالیٰ اُس دعویٰ کے مطابق امرِ مُحالِ عادی ظاہر فرما دیتا ہے اور منکرین سب عاجز رہتے ہیں اسی کو معجزہ کہتے ہیں-

جیسے حضرت سیدنا موسیٰ (علیہ السلام) کا عصا اور ید بیضا- چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"اے موسیٰ! اسے (زمین پر) ڈال دو- پس انہوں نے اسے (زمین پر) ڈال دیا تو وہ اچانک سانپ ہوگیا (جو ادھر ادھر) دوڑنے لگا"-[33]

نبی آخر زماں سرور کائنات (ﷺ) کے بھی بہت سے معجزات ہیں جیسے کنکر سے کلمہ پڑھانا اور چاند کے دو ٹکڑے کرنا وغیرہ- معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کی تائید کے لیے ظاہر کیے جاتے ہیں جو انسانی عقل وقدرت کو عاجز کر دیتے ہیں-

کرامت:

اللہ تعالیٰ بعض اوقات اپنے نیک اور برگزیدہ بندوں سے ایسے امور ظاہر فرماتا ہے جو عادت کے خلاف ہوتے ہیں، مگر وہ نبوت کے دعویٰ یا تحدّی کے بغیر ہوتے ہیں-

"اصطلاحِ علمِ کلام میں کرامت اس خلافِ عادت کام کو کہا جاتا ہے جو محض اللہ کی رضا کے لئے کسی شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والا وہ خلاف عادت کام جو بغیر نبوت کے دعویٰ کے اور مقابلے کے ہو"-[34]

جیسا کہ قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے:

"جب بھی زکریا (علیہ السلام) اس کے پاس عبادت گاہ میں داخل ہوتے تو وہ اس کے پاس (نئی سے نئی) کھانے کی چیزیں موجود پاتے"-[35]

یہ آیت حضرت مریم (علیہا السلام) کی کرامت کی صریح مثال ہے - قرآنِ مجید، ائمۂ اہلِ سنت اور علمائے کلام (متکلمین) اس بات پر متفق ہیں کہ کرامات کا وقوع حق ہے، تاہم وہ نہ نبوت کا درجہ رکھتی ہیں اور نہ ہی شریعت کا ماخذ بنتی ہیں، بلکہ شریعت کے تابع اور اس کی تصدیق کا ذریعہ ہوتی ہیں-

لوحِ محفوظ:

اسلامی عقیدہ کے مطابق کائنات میں پیش آنے والے تمام امور اللہ تعالیٰ کے علم، ارادے اور تقدیر کے تحت وقوع پذیر ہوتے ہیں- انہی ازلی حقائق کے محفوظ ہونے کا مظہر لوحِ محفوظ ہے، جس پر ایمان تقدیر اور علمِ الٰہی کے جامع تصور کو واضح کرتا ہے، اصطلاحِ علمِ عقائد میں لوحِ محفوظ سے مراد:

"وہ نورانی جسم ہے جس میں قیامت تک جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہو گا وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے لکھا ہوا محفوظ ہے"-[36]

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے، (جو) لوحِ محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے"-[37]

یوں واضح ہوا کہ لوحِ محفوظ اللہ تعالیٰ کے کامل علم اور تقدیرِ ازلی کا مظہر ہے، جس پر ایمان انسان کو اطمینان اور ذمہ داری عطا کرتا ہے- قرآنِ مجید کی تعلیمات بتاتی ہیں کہ لوحِ محفوظ کا تصور جبر نہیں بلکہ علمِ الٰہی کی جامعیت کو ظاہر کرتا ہے-

عقیدہ آخرت کے متعلقات:

عقیدہ آخرت:

عقیدۂ آخرت سے مراد مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانے، نیک اور بد اعمال کا حساب، جنت یا دوزخ کی صورت میں

---

[32](شرح عقائد نسفیہ، ص:215)

[33](طٰہٰ:19-20)

[34](معجم مقالید العلوم للسیوطی، ص:75)

[35](آل عمران:37)

[36](بغیۃ المرید للمارغنی، ص:149)

[37](البروج:21-22)

ملنے والی اچھی یا بُری جزا پر پختہ یقین و ایمان ہے- یہ عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد کا حصہ ہے- بحیثیت مسلمان آخرت پر ایمان و یقین رکھنا، تقاضہ ایمان اور حکم الٰہی کے عین مُطابق ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اور وہ آخرت پر بھی (کامل) یقین رکھتے ہیں“-[38]

”بلکہ اصل نیکی تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائے“-[39]

موت:

موت، دنیاوی حیات کے اختتام اور آخرت کے سفر کے آغاز کی علامت ہے- اسلامی عقیدہ کے مطابق موت محض فنا کا نام نہیں بلکہ ایک نئی زندگی میں انتقال ہے، جس کے بعد برزخی اور اخروی مراحل شروع ہوتے ہیں، علمِ عقائد کی اصطلاح میں موت کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ:

”موت ایک وجودی صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، اور یہ حیات کی ضد ہے- موت دراصل روح کا قبض کیا جانا اور اس کا جسم سے جدا ہو جانا ہے“-[40]

موت پر قرآنی آیات:

”ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے“-[41]

”جس نے موت اور زندگی کو (اِس لئے) پیدا فرمایا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے“-[42]

موت اسلامی عقیدے میں ایک تخلیق شدہ حقیقت ہے، جو انسان کو دنیاوی حیات سے نکال کر برزخی اور پھر اخروی زندگی کی طرف منتقل کرتی ہے- قرآنِ مجید، آئمہ متکلمین اور صوفیاء کرام کے بیانات اس بات پر متفق ہیں کہ موت کے بعد زندگی کا ایک نیا مرحلہ یقینی طور پر شروع ہوتا ہے-

قرآنی مجید اور یوم حساب:

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے؛

”اور ہم قیامت کے دن عدل و انصاف کے ترازو رکھ دیں گے“-[43]

مزید فرمایا:

”(اس سے کہا جائے گا:) اپنی کتابِ (اَعمال) پڑھ لے، آج تو اپنا حساب جانچنے کے لئے خود ہی کافی ہے“-[44]

غرضیکہ حساب قیامت کے دن انسانی اعمال کے مکمل محاسبے کا نام ہے - قرآنِ مجید اور ائمہ اہلِ سنت کے اجماعی عقیدے کے مطابق حساب پر ایمان انسان کو دنیا میں ذمہ دارانہ اور محتاط زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے-

مسئلہ خیر و شر:

خیر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی نیکی اور بھلائی کے ہیں خصوصاً جب کوئی نیکی اپنے کمال کو پہنچ جائے تو اسے لفظ خیر سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ شر کا لفظ بُرا، بُرائی اور تکلیف سب معنوں میں استعمال ہوتا ہے- اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر ضروریات کے ساتھ ساتھ مزید چند ذمے داریاں بھی عائد کی ہیں جو نہ صرف فرد بلکہ پورے معاشرے کی فلاح و بہبود اور بہتری کیلئے از حد ضروری ہیں- ان ذمے داریوں میں سب سے اہم ذمہ داری معاشرے میں شر کا سد باب اور خیر کا فروغ ہے- اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

”تم بہترین اُمّت ہو جو سب لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو“-[45]

اللہ تعالیٰ کی طرف شر کی نسبت؟

حقیقی طور پر تمام چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم اور اذن سے ہوتا ہے، باقی رہی یہ بات کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی بھی اس میں شامل حال ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہوتی ہے کہ انسان خیر اور بھلائی کی راہ اختیار کرے اور شر کی راہ اختیار نہ کرے- تاہم دنیا میں جو شر پیدا ہوتا ہے وہ بھی اللہ کے اذن کے بغیر نہیں ہوتا، گویا اذن الٰہی اور رضائے الٰہی میں یہ فرق ہے- اللہ تعالیٰ کو

---

[38] (البقرۃ:4)
[39] (البقرۃ:177)
[40] (التوقیف للمناوی، ص:318)
[41] (آل عمران:185)
[42] (الملک:2)
[43] (الأنبیاء:47)
[44] (الإسراء:14)
[45] (آل عمران:110)

کائنات میں ہونے والی ہر چیز کے بارے میں علم ہے ماضی، حال اور مستقبل میں کیا کیا ہو گا وہ تمام جانتا ہے اور اس کے علم میں ہے- اس نے ہر ایک چیز کو اپنے علم سے اپنے پاس لوحِ محفوظ میں لکھ رکھا ہے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں اس کی رضا و قدرت شامل ہوتی ہے جب کہ برائی میں اس کی چاہت اور ارادہ نہیں ہوتا-

خلاصہ یہ کہ انسان کو جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو اسے برائی پہنچتی ہے وہ خود اس کے نفس کی طرف سے ہے-

مسئلہ تقدیر اور جبر و قدر:

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ تقدیر کا بھی ہے، جو کہ قرآن و سنت کی متعدد نصوص سے ثابت ہے- شریعت اسلامیہ میں تقدیر سے مراد جو کچھ اب تک ہو چکا، جو ہو رہا ہے اور جو کچھ آئندہ ہو گا، سب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ہے اور اُس کے مطابق ہو رہا ہے- جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو وہی ہوتا ہے اور جو اس کو منظور نہ ہو وہ نہیں ہوتا- اللہ تعالیٰ انسان کا بھی خالق ہے اور اس کے افعال و اعمال کا بھی خالق ہے- جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”حالانکہ اللہ نے تمہیں اور تمہارے (سارے) کاموں کو خَلق فرمایا ہے“-[46]

اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات پیدا کرنے سے پہلے اس کا علم تھا اسی علم کو تقدیر سے تعبیر کیا جاتا ہے- قرآن مجید میں بہت سی آیات کو ذکر کیا گیا ہے- چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو آسمان اور زمین میں ہے، بیشک یہ سب کتاب (لوحِ محفوظ) میں (درج) ہے، یقیناً یہ سب اللہ پر (بہت) آسان ہے“-[47]

تقدیر اور مقامِ انسان:

تقدیر کی وجہ سے انسان کسی عمل پر مجبور نہیں ہو جاتا، اس کو سمجھنے کے لئے تین نکات اہم ہیں:

علمِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ہے، اسے معلوم ہے کہ کیا چیز کیسی ہو گی- اللہ تعالیٰ کا علم قطعی اور کامل ہے اس لئے اس کے خلاف پیش آ ہی نہیں سکتا، جبکہ انسان کا علم قیاس و اندازے پر مشتمل ہوتا ہے، غلط ثابت ہو سکتا ہے- یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے اور فیصلہ کرنے کی صلاحیت دی ہے- اسی صلاحیت کی وجہ سے انسان چاہے تو نیکی کرے یا برائی یہ فیصلہ وہ خود کرتا ہے- لہٰذا جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے، تو وہ یہ کام اپنی مرضی اور ارادے سے کرتا ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زبردستی ایسا کرنے پر مجبور کیا ہوتا ہے-

ارادہ و کسب:

ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارادہ کرنے کی آزادی دی گئی ہے، انسان چاہے تو نیکی کا ارادہ بھی کر سکتا ہے اور بدی کا بھی، انسان کو ثواب و عذاب دراصل اسی قوت ارادہ کے صحیح و غلط استعمال کی وجہ سے دیا جاتا ہے- قرآن پاک میں اس ارادہ کو کسب کہا گیا ہے- ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”اس نے جو نیکی کمائی اس کے لئے اس کا اجر ہے اور اس نے جو گناہ کمایا اس پر اس کا عذاب ہے“-[48]

مشیتِ ایزدی:

اگرچہ انسان کو قوت ارادی عطا ہوئی ہے مگر پھر بھی صرف انسان کے ارادے سے کوئی بھی چیز وجود میں نہیں آتی جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل نہ ہو- جب انسان اچھائی کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ اس کی مدد فرماتا ہے، اسی طرح جب انسان گناہ پر اپنا ارادہ یا آمادگی ظاہر کرتا ہے تو اللہ اس میں اپنی مشیت شامل فرماتا ہے- ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

”پس جس نے (اپنا مال اللہ کی راہ میں) دیا اور پرہیز گاری اختیار کی- اور اس نے (اِنفاق و تقوٰی کے ذریعے) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کی تصدیق کی- تو ہم عنقریب اسے آسانی (یعنی رضائے الٰہی) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے- اور جس نے بخل کیا اور (راہِ حق میں مال خرچ کرنے سے) بے پروا رہا- اور اس نے (یوں) اچھائی (یعنی دینِ حق اور آخرت) کو جھٹلایا- تو ہم عنقریب اسے سختی (یعنی عذاب کی طرف بڑھنے) کے لئے سہولت فراہم کر دیں گے (تاکہ وہ تیزی سے مستحق عذاب ٹھہرے)“-[49]

---

[46] (الصافات:96)

[47] (الحج:70)

[48] (البقرۃ:286)

[49] (الیل:5-10)

پس ثابت ہوا کہ انسان مجبور محض نہیں ہے وہ تکوینی معاملات مثلاً شکل و صورت اور رنگ و روپ وغیرہ میں تو مجبور ہے، مگر اپنے عمل میں اس کو ارادہ و اختیار کی آزادی دی گئی ہے اور اس کی وجہ سے ہی اسے ثواب یا عذاب دیا جاتا ہے۔

مسئلہ تقدیر اور اقوال علماء:

علامہ میر سید شریف الجرجانیؒ کتاب التعریفات میں تقدیر کی یوں تعریف کرتے ہیں:

"تقدیر ہر مخلوق کی اچھائی اور برائی، فائدہ اور نقصان یا اس کے علاوہ جو ان میں پایا جاتا ہے اس مقرر کردہ حد کا نام اس کی تقدیر ہے"۔[50]

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ شرح عقائد نسفیہ میں تقدیر کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"یہ (تقدیر) مخلوق کی اس کے حسن و قبح، نفع اور نقصان اس کے زمانہ (مدت حیات) اُس کے رہنے کی جگہ اور اس کے ثواب و عذاب کی مقرر کردہ حد کا نام اس کی تقدیر ہے"۔[51]

عقیدہ اہلسنت یہ ہے کہ انسان نہ پتھر کی طرح مجبورِ محض ہے نہ خود مختار، بلکہ ان دونوں کے درمیان میں ایک حالت ہے، جس کی حقیقت خدا کا ایک راز اور ایک نہایت گہرا دریا ہے۔

مسئلہ حسن و قبح:

اللہ تعالیٰ جس فعل کا حکم دے وہ فعل اچھا ہو گا اور جس فعل سے منع کر دے وہ برا ہو گا، اللہ تعالیٰ کا حکم تو نبی کے ذریعے آتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ حکم الٰہی کے وَرُود سے قبل ہی پہلے فعل کی خوبی اور دوسرے فعل کی خرابی سمجھ آجاتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ اول حسن اور ثانی قبیح ہے، اس سلسلے میں یہ دونوں نظریے ہو سکتے ہیں۔ اگر حسن و قبح حکم الٰہی کے ورود سے قبل ہی معقول ہو تو اس کا منشا یہ ہو گا کہ حکم الٰہی حکمت کے خلاف نہیں ہوتا، جو حکمت کا تقاضا ہوتا ہے اسی کے مطابق حکم آتا ہے اور دوسرے نظریے کی تقدیر پر اس کا منشاء یہ ہو گا کہ حاکم مطلق، اللہ تعالیٰ ہے، جو کسی چیز کے تابع نہیں، اسی کا حکم کسی فعل کو حسن اور اسی کی ممانعت کسی فعل کو قبیح بناتی ہے اس کے حکم سے قبل کسی فعل میں حسن و قبح کا کوئی معنی نہیں۔

حسن و قبح پر اقوال علماء:

شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

"اچھا کام وہ ہے جسے حضور نبی اکرم (ﷺ) نے اچھا کہا اور برا کام وہ ہے جس سے حضور نبی اکرم (ﷺ) نے منع کیا۔ بذات خود نہ کوئی کام اچھا ہے نہ برا"۔[52]

شیخ ابو زہرہ مصریؒ کہتے ہیں کہ:

"معتزلہ کے نزدیک جو چیز عقلاً حسن ہو وہ واجب الفعل ہوتی ہے اور جو قبیح ہو وہ حرام ہوتی ہے مگر ماتریدیہ اس حد تک تجاوز نہیں کرتے بلکہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اتباع میں یہ کہتے ہیں کہ اگر عقلاً اشیاء کے حسن و قبح کا ادراک ممکن ہے مگر آدمی اس وقت تک مکلف و مامور نہیں ہوتا جب تک شارع حکم نہ دے اس لئے کہ عقل بالاستقلال، دینی احکام صادر نہیں کر سکتی بلکہ احکام صادر کرنا صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ کو زیب دیتا ہے"۔[53]

حاصل کلام:

حاصل بحث یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں بیان کردہ بنیادی عقائد جیسے توحید، نبوت و رسالت، وحی، آخرت، خیر و شر اور مسئلہ تقدیر کی صحیح تفہیم و معرفت کے لیے علم الکلام سے آشنائی ناگزیر ہے۔ یہ علم نہ صرف اسلامی عقائد کی فکری و عملی بنیادوں کو مضبوط کرتا ہے بلکہ قرآن و سنت کی تعلیمات کو عقل و استدلال کے تناظر میں واضح کرنے اور عہدِ جدید کے فلسفیانہ، سائنسی و نظریاتی چیلنجز کا مؤثر جواب دینے کا ذریعہ بھی ہے۔ مزید یہ کہ علم الکلام اسلامی عقائد کو نقلی و عقلی دلائل کے ذریعے واضح کرتے ہوئے ایمان کی فکری و عملی پختگی کو ممکن بناتا ہے۔ غرضیکہ عصرِ حاضر میں جب اسلامی عقائد کو نظریاتی، فلسفیانہ اور سائنسی چیلنجز کا سامنا ہے ایسے میں علم الکلام قرآنِ کریم میں عقائد کی تفہیم کے لیے بنیادی و لازمی کردار ادا کرتا ہے۔

☆☆☆

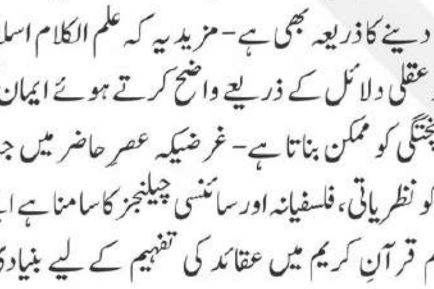

[50] (جرجانی، سید شریف علی بن محمد، کتاب التعریفات، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ص:47)

[51] (تفتازانی، سعد الدین مسعود بن عمر، شرح عقائد نسفیہ، مکتبۃ المدینہ، کراچی، ص:206)

[52] (شیخ، عبد الحق محدث دہلوی، تکمیل الایمان، مکتبہ نبویہ، لاہور، ص:28)

[53] (شیخ محمد ابو زہرہ مصری، اسلامی مذاہب، مترجم پروفیسر غلام احمد حریری، ملک سنز، ص:303)

آیاتِ سجدہ کے مقاصد

حکمتیں اور اسرار و رموز

مفتی محمد امجد علی قادری

"السّجود: میل القامة إلی الأرض"

""سجود کا لغوی معنٰی ہے، جسم کا زمین کی جانب جھکنا-

"و فی الشرع عبارة عن: وضع الجبهة علی الأرض تواضعًا للہ تعالی وخضوع بین یدیه"[1]

""سجود کا شرعی معنٰی ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی وانکساری کرتے ہوئے زمین پر پیشانی رکھنا"-

آیت سجدہ اس قرآنی آیت کو کہتے ہیں جس کی تلاوت یا سماعت پر سجدہ تلاوت کرنا مشروع ہوتا ہے- سجود تلاوت کے وجوب میں اختلاف ہے-

سجدہ تلاوت کی تعداد میں مذاہب فقہاء:

امام مالک بن انس (متوفی 179ھ) لکھتے ہیں:

""ہمارے نزدیک عزائم سجود القرآن 11 سجدے ہیں ان میں سے مفصل سورتوں (یعنی النجم، الانشقاق اور العلق کے سجدات) میں کوئی سجدہ نہیں ہے"-[2]

علامہ ابو الولید سلیمان بن خلف باجی اندلسی مالکی (المتوفی:494ھ) لکھتے ہیں:

""امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے جمہور اصحاب کا یہی مذہب ہے، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہم) کا بھی یہی قول ہے اور امام عبد اللہ بن وہب نے کہا عزائم سجود القرآن 14 سجدے ہیں اور یہی امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ہے- عبد الملک بن حبیب نے کہا عزائم السجود 15 سجدے ہیں انہوں نے سورۃ حج کا دوسرا سجدہ بھی شامل کرلیا"-[3]

امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شافعی (متوفی:455ھ) لکھتے ہیں:

"امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) کے قول جدید کے مطابق سجدات تلاوت 14 سجدے ہیں اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ سجود تلاوت 11 سجدے ہیں"-[4]

علامہ موفق الدین بن قدامہ مقدسی حنبلی (متوفی:620ھ) لکھتے ہیں:

""سجدات القرآن 14 سجدے ہیں (سورۃ ص کے سجدہ کے علاوہ باقی مذکورہ سجدات) ان میں سے دو سجدے الحج میں ہیں اور تین مفصل میں ہیں- امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ 15 سجدے ہیں"-[5]

علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی (المتوفی:587ھ) لکھتے ہیں:

""قرآن مجید میں 14 سجدے ہیں- ان کی تعداد میں دیگر فقہاء سے ہمارے آئمہ احناف کے تین اختلاف ہیں:

1. پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور بعض فقہاء مالکیہ کے نزدیک سورۃ الحج کا دوسرا سجدہ "ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا"[6] بھی سجدہ تلاوت ہے- اور ہمارے نزدیک وہ نماز کا سجدہ ہے"- سجدہ تلاوت نہیں ہے-
2. دوسرا اختلاف اس میں ہے کہ سورۃ ص کا سجدہ ہمارے نزدیک سجدہ تلاوت ہے اور امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وہ سجدہ شکر ہے-
3. تیسرا اختلاف یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مفصل (النجم، الانشقاق، العلق) میں 3 سجدے ہیں، اس میں امام مالک کا اختلاف ہے- ہماری دلیل حضرت عمران بن حصین کی حدیث ہے جس میں یہ تصریح ہے کہ مفصل میں 3 سجدے ہیں-[7]

آیاتِ سجدہ کی فہرست:

قرآن مجید کی درج ذیل 14 سورتیں سجودِ تلاوت پر مشتمل ہیں:

---

[1](دَرْجُ الدُّرر في تَفسِيرِ الآيِ والسُّوَر از امام جرجانی (المتوفی: 471ھ))

[2](الموطأ، ص:127، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1409ھ)

[3](المنتقی، ج:1، ص:351، مطبوعہ دار الکتاب العربی، بیروت)

[4](المہذب، ج:1، ص:85، مطبوعہ دار الفکر، بیروت)

[5](الکافی، ج:1، ص:272، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1414ھ)

[6](الحج:77)

[7](بدائع الصنائع، ج:2، ص:3-6، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ)

”(1) پارہ:9، الاعراف:206، (2) پارہ:13، الرعد :15، (3) پارہ:14، النحل:50، (4) پارہ:15، الاسراء :109، (5) پارہ:16، مریم:58، (6) پارہ:17، الحج: 18 اور 77، پارہ:17، الحج:77، (7) پارہ:19، الفرقان :60، (8) پارہ:19، النمل:26، (9) پارہ:21، السجدہ: 15، (10) پارہ:23، ص:24، (11) پارہ:24، حم سجدہ:38، (12) پارہ:27، النجم:62، (13) پارہ:30، الانشقاق:21، (14) پارہ:30، العلق:19“-

آیاتِ سجدہ کے مقاصد، حکمتیں اور اسرار و رموز

قرآنِ حکیم میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں تلاوت سن کر یا پڑھ کر سجدہ کرنا لازم ہوتا ہے- یہ مقامات آیاتِ سجدہ کہلاتے ہیں- آیتِ سجدہ کا مقصد محض سجدہ کرنا نہیں بلکہ وہ روحانی، عقلی، ایمانی اور عملی پیغام ہے جس کی طرف قرآن کریم مختلف انداز میں متوجہ کرتا ہے-

مفسرینِ کرام اور فقہاء نے آیاتِ سجدہ کے اندر پوشیدہ حکمتوں اور اسرار پر متعدد مقامات پر گفتگو کی ہے- ذیل میں چند اسرار اور حکمتوں کا ذکر کرتے ہیں-

قرآن کی عظمت کے سامنے عملی طور پر جھکنا

آیاتِ سجدہ انسان کو یہ یاد دلانے کیلئے ہیں کہ قرآن کریم محض نظری کلام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ زندہ ہدایت ہے، جسے سن کر دلوں میں حرکت پیدا ہونی چاہیے-

امام قرطبی ”السجدہ:15“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور انہیں نصیحت کی جائے تو وہ عاجزی سے اس کی عظمت کے لئے انکساری کیلئے اور اس کی عبودیت کا اقرار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں“-

مقصد: آیتِ سجدہ قرآن کریم کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی سامنے لاتی ہے-[8]

عملی بندگی اور فوری اطاعت کی تربیت

جب سجدے کا حکم آئے اور بندہ فوراً جھک جائے، تو یہ اس کی عملی اطاعت کی تربیت ہے-

مقصد: قرآن کریم سن کر فوری عملی ردِّ عمل دینا اور اللہ کے حکم کی تعمیل-

شکرِ نعمت اور اعترافِ ہدایت

بعض آیاتِ سجدہ میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہوتا ہے، اس لئے سجدہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حضور شکر کا اظہار بھی ہے اور نعمتِ ایمان اور ہدایت پر سجدۂ شکر ادا کرنا بھی ہے-

شیطان کے مقابلے میں بندے کی فتح کا اعلان

امام بغوی ”تفسیر بغوی“ میں ”الاعراف:206“ کی تفسیر میں لکھتے ہے:

”حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ جب ابن آدم آیت سجدہ کی قرأت کرتا پس وہ سجدہ کرتا ہے- تو شیطان روتے ہوئے وہاں سے جدا ہوتا ہے اور کہتا ہے افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم دیا گیا اس نے سجدہ کر لیا اس کو جنت ملے گی اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا تو میں نے نافرمانی کی تو میرے لیے جہنم ہے“-

معدان فرماتے ہیں کہ:

”میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے آزاد کردہ غلام حضرت ثوبان (رضی اللہ عنہ) سے سوال کیا کہ مجھے ایک ایسی حدیث بیان کریں جس کے ذریعے مجھے اللہ تعالیٰ نفع دیں تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سجدہ کے ذریعے اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں اور اس سے ایک گناہ مٹا دیتے ہیں“-

مقصد: آیتِ سجدہ بندے کی اطاعت اور شیطان پر اس کی شکست کا اظہار ہے-

اسی طرح امام کاسانی بدائع الصنائع میں لکھتے ہے:

”کیونکہ قرآن میں موجود مواضع سجود تقسیم شدہ ہیں، ان میں سے بعض مقامات وہ ہیں جہاں سجدہ کرنے کا حکم دے کر اسے لازم کیا گیا ہے جیسا کہ سورۃ القلم کی آخری آیت اور بعض مقامات وہ ہیں جہاں کفار کے سجدہ کرنے سے اعراض کرنے کو بیان کیا گیا ہے تو ہم پر سجدہ کرکے

[8] الهداية إلى بلوغ النهاية في علم معاني القرآن وتفسيره، وأحكامه، وجمل من فنون علومه از امام قرطبی المالکی (متوفی:437ھ)

ان کی مخالفت کرنا لازم ہے اور بعض مقامات وہ ہیں جہاں نیک فرمانبردار بندوں کے خشوع کو بیان کیا گیا ہے تو ہم پر اللہ عزوجل کے اس فرمان "فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ" (یعنی تو تم انہیں کی راہ چلو) کے سبب اُن ہستیوں کی اقتداء لازم ہے"-[9]

قربِ الٰہی کا حصول:

سجدہ اللہ تعالیٰ کے قریب ترین حالت ہے- آیاتِ سجدہ انسان کو اعلیٰ روحانی مقام تک لے جاتی ہیں-

حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا کہ:

"بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے"-[10]

مقصد: آیتِ سجدہ بندے کو براہِ راست قربِ الٰہی عطا کرتی ہے-

تکبر کا خاتمہ اور نفس کی پاکیزگی:

سجدہ انسانی تکبر کو توڑتا ہے، کیونکہ انسان کی پیشانی، اس کی سب سے معزز جگہ، زمین پر رکھ دی جاتی ہے-

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ:

"جس نے صدق نیت سے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا تحقیق وہ تکبر سے آزاد ہو گیا"-

مقصد: روحانی صفائی اور تکبر کا خاتمہ-

عبدیت اور فنا فی اللہ کا حقیقی اظہار:

سجدہ انسان کے عبد ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے- جب مومن آیتِ سجدہ پر جھکتا ہے تو وہ اعلان کرتا ہے کہ:

"اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے سامنے جھکا ہوں"-

آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے رات کو نماز پڑھی اس میں سورۃ البقرہ، سورۃ النساء اور سورۃ آل عمران کی قرأت کی، پھر قرأت کی مثل لمبا رکوع اور سجدہ کیا، رکوع میں یہ پڑھا "**سبحان ربی العظیم**" اور سجدہ میں یہ پڑھا "**سبحان ربی الأعلی**" اور یہ اس لئے کہ سجدہ میں بندے کی طرف سے اللہ تعالیٰ کیلئے اپنی اعلیٰ شے یعنی چہرے کے ذریعے سے انتہاء درجے کی عاجزی پستی انکساری اور تواضع کا اظہار ہے- بایں صورت کہ وہ اپنی پیشانی کو زمین پر رکھتا ہے- تو مناسب ہے کہ وہ انتہائی عاجزی کی حالت میں اپنے رب کو اس صفت سے یاد کرے کہ وہ اعلیٰ ہے-[11]

مقصد: بندگی اور عبدیت کا اظہار-

مجلسِ تلاوت میں رحمت و سکینت کا نزول:

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ جہاں قرآن کریم پڑھا جاتا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت اترتی ہے- آیتِ سجدہ پر سجدہ اس مجلس کو مزید نورانی بنا دیتا ہے-

بعض آیاتِ سجدہ میں صراحتاً سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اس حکم کی تعمیل میں اُن آیات پر سجدہ تلاوت کیا جاتا ہے- جیسا کہ "سورۃ النجم:62"-

آیاتِ سجدہ کے بعض مقامات پر کفار کے سجدے سے اعراض اور روگردانی کو بیان کیا گیا ہے جبکہ کفار کی مخالفت کرنا ہم پر لازم ہے، اسی وجہ سے اُن آیات پر سجدہ تلاوت کیا جاتا ہے- جیسا کہ "سورۃ الفرقان:60"-

آیاتِ سجدہ کے بعض مقامات پر انبیاء کرام (علیہم السلام)، فرشتوں اور نیک اور مقرب بندوں کے سجدہ کرنے کو بیان کیا گیا ہے جبکہ ان پاکیزہ ہستیوں کی اقتداء کرنا ہم پر لازم ہے- اسی وجہ سے اُن آیات پر سجدہ تلاوت کیا جاتا ہے- جیسا کہ "سورۃ ص:24"-

حرفِ آخر:

آیاتِ سجدہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، قرآن کریم کی شان، قیامت کی یاد دہانی، خشوع و رقت، شکر و اعترافِ نعمت، تکبر کا خاتمہ، روحانیت کا عروج، بندگی کا اظہار، شیطان پر غلبہ اور اطاعتِ الٰہی کی عملی تربیت موجود ہیں-

یہی وجہ ہے کہ آیاتِ سجدہ پورے قرآن کریم میں ایک غیر معمولی روحانی نظام قائم کرتی ہیں جو قرآن کریم کے قاری کے دل و دماغ کو جھنجھوڑ دیتی ہیں اور اسے عملی عبادت کی طرف لے جاتی ہیں-

☆☆☆

[9] بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع از امام علاء الدین، ابوبکر بن مسعود الكاساني الحنفي (المتوفى:587ھ)

[10] صحیح مسلم: بَابُ مَا يُقَالُ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ

[11] (مجموع الفتاوی از امام ابن تیمیہ)

امثال القرآن کے اغراض و مقاصد اور اُن کی عصری تطبیقات

مفتی محمد صدیق خان قادری

قرآن مجید کی فضیلت و عظمت تمام کلاموں پر ایسے ہے جیسے خالق کی فضیلت مخلوق پر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے پوری کائنات میں یکتا و لاثانی ہے اسی طرح اُس کا کلام یعنی قرآن مجید بھی بے مثال ہے-چونکہ قرآن مجید ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لیے باری تعالیٰ نے کئی مقامات پر اس میں تدبر و تفکر کی ہدایت فرمائی ہے-اور علامہ اقبال بھی اسی چیز کی ترجمانی کرتے ہُوئے مسلمانوں کو تنبیہ فرماتے ہیں:

> قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
> اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

ایک مسلمان جب قرآن مجید میں غور و فکر کرتا ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ خالق کائنات نے بڑے پیارے اور حکیمانہ انداز میں لوگوں کی صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اگر ہم غور کریں تو قرآن مجید کلام کی مختلف انواع پر مشتمل ہے - جہاں اللہ تعالیٰ نے وعد و وعید، امر و نواہی اور قصص کا ذکر کیا ہے وہیں کئی ایک مقامات پر مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں -صاف ظاہر ہے کہ ان مثالوں کو بیان کرنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے-زیر نظر مضمون میں امثال القرآن کے اغراض و مقاصد اور اُن کی عصری تطبیقات کا بیان ہو گا-

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں امثال القرآن کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ"[1]

"اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر علم والے"-

ایک اور مقام پر ان مثالوں کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ"[2]

"اور بیشک ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی کہاوت بیان فرمائی کہ کسی طرح انہیں دھیان ہو"-

تو اس آیت مبارکہ سے امثال القرآن کا ایک مقصد واضح ہو گیا کہ ان مثالوں سے نصیحت پکڑنا ہے-

آقا کریم (ﷺ) نے بھی امثال القران کے اسی مقصد کو بیان کیا-

امام بیہقی حضرت ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) نے ارشاد فرمایا کہ:

قرآن مجید پانچ وجوہ پر نازل ہُوا ہے حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال پر-لہٰذا تم لوگ حلال پر عمل کرو، حرام سے بچو، محکم کی پیروی کرو،متشابہ پر ایمان لاؤ اور امثال سے اعتبار (عبرت و نصیحت) حاصل کرو-[3]

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ:

"شیخ عزالدین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں امثال اس لئے بیان کی ہیں کہ وہ بندوں کو یاد دہانی اور نصیحت کا فائدہ دیں"-[4]

امثال القرآن کی غرض عبرت و نصیحت کے علاوہ آئمہ کرام نے اور بھی کئی اغراض بیان فرمائی ہیں-

امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب الاتقان فی علوم القرآن میں فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو مثالیں بیان کی ہیں اُن کی غرض و مقصد وعظ و تذکیر، زجر، عبرت، تقریر و تاکید، مراد کو مخاطب کے فہم کے قریب کرنا اور مراد کو محسوس صورت میں پیش کرنا ہے-یہ اس لیے کہ امثال معانی کو اشخاص کی صورت میں نمایاں کرتی ہیں اور اس صورت حال میں معانی ذہن میں جم جاتے ہیں کیونکہ اس حالت

---

[1](العنکبوت:43)

[2](الزمر:27)

[3](شعب الایمان للبیہقی، فصل فی ترک التفسیر بالظن)

[4](الاتقان فی علوم القرآن، ج:2، ص:254، مکتبہ رحمانیہ لاہور پاکستان)

میں ذہن کو حواس ظاہری کی مدد ملتی ہے یہی تو وجہ ہے کہ مثال کی غرض خفی کو جلی کے ساتھ اور غائب کو شاہد کے ساتھ تشبیہ دینا قرار دی گئی ہے"۔[5]

علامہ زمخشری فرماتے ہیں کہ:

"تمثیل دینے کا مقصد معانی کو واضح کرنا ہے اور جو چیز وہم میں ہے اس کو مشاہدہ کے درجے میں لانا ہے"۔[6]

لہٰذا: قرآن مجید، حدیث مبارکہ اور آئمہ کرام کے اقوال سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ امثال القرآن کی اپنی ایک حقیقت ہے، یہ اپنے اندر بہت بڑے مقاصد رکھتی ہیں، یہ انسانی ذہنوں میں بات بٹھانے کا ایک ایسا منفرد انداز ہے کہ جس میں انسان کا ذہن بات کی تہہ تک پہنچنے میں دِقّت محسوس نہیں کرتا کیونکہ جو بات مثالوں سے واضح اور ذہن نشین ہوتی ہے وہ بعض اوقات دلائل سے کم سمجھ آتی ہے مثالیں معانی و مطالب کو ایسا آشکار کرتی ہیں جیسے آدمی کسی شے کا مشاہدہ کر رہا ہو گویا امثال غائب کو حاضر کے درجے میں اور متوھم کو مشاہد کے درجے میں اتار دیتی ہیں۔تو پھر بندے کے پاس انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی لہٰذا یہ امثال اہل فکر و تدبر کیلئے وعظ و نصیحت، عبرت اور ہدایت کا سبب بن جاتی ہیں۔مثال کے طور پر جب اللہ تعالیٰ نے توحید و شرک کی حقیقت کو بیان کیا تو اس چیز کو سمجھانے کیلئے ایسی چیزوں کی مثال دی جو ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں فرمان باری تعالیٰ ہے:

"حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ"[7]

"ایک اللہ کے ہو کر کہ اس کا ساجھی کسی کو نہ کرو اور جو اللہ کا شریک کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے اچک لے جاتے ہیں یا ہوا اسے کسی دور جگہ پھینکتی ہے"۔

اب آسمان کی بلندی اور اُس کی وسعتیں انسان کے سامنے ہے اور پرندوں کا بوٹیاں نوچنا بھی، انسان اس کا کئی بار زندگی میں مشاہدہ کرتا ہے تو جس آدمی کو توحید کی دولت نصیب ہے وہ آسمان جیسی بلندی پر ہے اور جس نے شرک اختیار کیا گویا وہ آسمان کی بلندی سے نیچے زمین پر آگرتا ہے اور پرندے اُسکی بوٹیاں نوچ لیتے ہیں مطلب کہ کفر انسان کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

اسی طرح انسانی مشاہدہ ہے کہ جب کسی پتھر پر گرد و غبار پڑی ہو اور اُس پر بارش برسے تو وہ پتھر گرد و غبار سے صاف ہو جاتا ہے۔تو ایسے لوگ جو اپنا مال خالص اللہ کی رضا کیلئے نہیں بلکہ ریاکاری اور ظاہری نمود و نمائش کیلئے خرچ کرتے ہیں تو اُن کی مثال بھی ایسے پتھر کے ساتھ دی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ"[8]

"اے ایمان والو اپنے صدقے باطل نہ کر دو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے تو اس کی کہاوت ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ اس پر مٹی ہے اب اس پر زور کا پانی پڑا جس نے اسے نرا پتھر کر چھوڑا، اپنی کمائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا"۔

مطلب کہ جس طرح بارش پڑنے سے پتھر پر کوئی شے باقی نہیں رہتی وہ صاف ہو جاتا ہے اسی طرح جو لوگ ریاکاری کے طور پر مال خرچ کرتے ہیں اُن کیلئے اجر و ثواب میں کوئی شے باقی نہیں رہتی۔

بعض اوقات مثال بیان کرنے کا مقصد کسی شے کی حقیقت کو بیان کرنا ہوتا ہے مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

"اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا"[9]

[5](ایضاً)

[6](ایضاً)

[7](الحج:31)

[8](البقرہ:264)

[9](البقرہ:275)

”جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قیامت کے دن صرف اس شخص کی طرح کھڑے ہوں گے جس کو شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع سود ہی کی مثل ہے اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے“۔

مذکورہ آیت میں سود خوروں کے حال کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ جب ایک انسان ہمیشہ حلال کھاتا ہے تو اُس حلال کی برکت سے بندے میں اطاعت و عبادت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہو جاتی ہے لیکن اس کے برعکس حرام کی وجہ سے توفیق الٰہی اٹھالی جاتی ہے جس کی غذا حرام ہو وہ ظاہری طور پر بے شک کھڑا ہوا اور چلتا پھرتا ہو لیکن وہ باطنی طور پر مردہ ہوتا ہے، وہ اُس مخبوط الحواس شخص کی طرح ہوتا ہے جو کھڑا نہیں ہو سکتا -تو اس آیت مبارکہ میں سود کھانے والوں کی اور مخبوط الحو اس شخص کے ساتھ مثال دے کر اُن کے حال حقیقت کو واضح کر دیا ہے-

کبھی مثال دینے کی غرض و مقصد کسی شے کی طرف رغبت دلانا مقصود ہوتا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ:

”مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ“[10]

”جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی مثال اس دانے کی طرح ہے جس نے ساتھ ایسے خوشے اگائے کہ ہر خوشے میں سو دانے ہیں، اور اللہ جس کے لیے چاہے ان کو دگنا کر دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا بہت علم والا ہے“۔

اس آیت مبارکہ میں اُن لوگوں کی مثال دی گئی ہے جو اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایسے دانے کی جس سے سات بالیاں اُگتی ہیں سے دے کر انفاق فی سبیل اللہ کی طرف رغبت دلائی ہے کہ اگر راہِ حق میں اپنا مال خرچ کرو گے تو تمہارا مال کم نہیں ہو گا بلکہ وہ مزید بڑھے گا-

اسی طرح خالق کائنات نے اپنی لاریب کتاب میں مختلف قوموں کے جو واقعات بیان کے ہیں اور اُن میں اُنکے معاملات اور بداعمالیوں کا ذکر کیا ہے وہ ہمارے لیے ایک مثال کا درجہ رکھتے ہیں تو جس طرح امثال القرآن کا ایک مقصد عبرت حاصل کرنا بھی ہے تو ان واقعات سے ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ جس طرح وہ اقوام اپنی غلط روش اور بد اعمالیوں کی وجہ سے عذاب کی مستحق ٹھہریں تو کہیں ہم بھی اپنے غلط معاملات، کج روی، احکاماتِ الٰہی سے پہلو تہی، ظلم و زیادتی اور اپنی ناانصافیوں کی وجہ سے سزا کے مستحق نہ ٹھہر جائیں-

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی احکامِ عبادات، ایفائے عہد اور سماجی و اخلاقی اقدار کی خلاف ورزی کا تذکرہ کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا کہ:

”وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰى وَالْیَتٰمٰى وَالْمَسٰكِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ“[11]

”اور یاد کرو جب ہم نے بنو اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیکی کرنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کرنا اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ ادا کرنا، پھر تم میں سے چند لوگوں کے علاوہ تم سب (اس عہد سے) منحرف ہو گئے اور تم (ہو ہی) منہ موڑنے والے“۔

مقام غور ہے یہ تمام احکام صرف اُنہی کیلئے خاص نہیں بلکہ آج بھی ہم سب کیلئے اس میں سبق اور نصیحت ہے کہ عبادت الٰہی کو قائم کرتے ہُوئے اپنے والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک رَوَا رکھیں، قُرابت داروں، یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کریں نماز اور زکوٰۃ کو بجالے آئیں، اگر ہم ان تمام چیزوں اور وعدوں پر کار بند رہیں گے تو کامیابی ہمارا مقدر ہو گی ورنہ اُن کی طرح رو گرداں ٹھہرائے جائیں گے-

[10](البقرۃ:261)

[11](البقرۃ:83)

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب (علیہ السلام) کی قوم جو کہ ناپ تول میں کمی کرتے اور زمین میں فساد بھی پھیلاتے تھے اُن کا ذکر کرتے ہُوئے ارشاد فرمایا:

"وَ یٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ"[12]

"اور اے میری قوم ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو"۔

ہمارے معاشرے میں جہاں بہت ساری خرابیاں پائی جاتی ہیں تو وہیں یہ دو خرابیاں ناپ تول میں کمی اور فساد پھیلانا بھی کثرت کے ساتھ پایا جاتا ہے حلانکہ اگر دیکھا جائے تو ناپ تول میں کمی ایک ایسی غیر اخلاقی اور گھٹیا حرکت ہے کہ جس کے بارے اللہ تعالیٰ نے سورۃ المطففین میں فرمایا کہ بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کیلئے گویا بندہ دنیا کے حقیر مال کی خاطر اپنی دنیا اور آخرت برباد کر دیتا ہے لہٰذا مذکورہ آیت میں ہمارے معاشرے کیلئے ایک پیغام ہے کہ ہم سب ناپ تول میں کمی جیسی غیر اخلاقی حرکت سے باز رہیں اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھریں بلکہ امن اور محبت کا داعی بن کر اسلامی معاشرے کی بنیادوں کو مضبوط کریں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف میں ایک واقعہ بیان کیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے کہ:

"وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۝ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ"[13]

"اور اے محبوب انہیں اس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو گمراہوں میں ہو گیا-اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھالیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کُتّے کی طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ حال ہے ان کا جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو تم نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان کریں"۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عباس اور کچھ دیگر مفسرین کے نزدیک یہ آیات بنی اسرائیل کے شخص بلعم بن باعورا کے بارے نازل ہُوئی ہیں جو مستجاب الدعوات ہونے کے باوجود دنیا کے حرص و لالچ میں اپنی آخرت برباد کر بیٹھا گویا ان آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ ایسے دنیا پرست اور حرص و طمع میں گرفتار لوگوں کا حال و انجام اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ جو دین حق کو قبول کرنے کے بعد محض دنیاوی حرص و طمع کی بناپر اللہ تعالیٰ کے احکامات سے منحرف ہو جاتے ہیں اور نفس و شیطان کے اشاروں پر چلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد و میثاق کی کوئی پرواہ نہیں کرتے ایسے لوگوں کا انجام بہت بُرا ہوتا ہے -تو یہ محض واقعہ نہیں ہے بلکہ ہمیں وعظ و تذکیر کیلئے اس کو بیان کیا گیا ہے کہ دیکھو کہ جب ایک عالم اور صاحب تصرف بزرگ پیغمبر کی مخالفت سے مردود ہو گیا تو تم بھی اپنے نبی کی مخالفت نہ کرنا ورنہ تمہارا حال بھی یہی ہو سکتا ہے -اور خاص طور پر اس میں علماء کیلئے تنبیہ ہے کہ جسے اللہ پاک علم و ہدایت سے نوازے تو وہ بعد میں زر پرست نہ بن جائے ورنہ اُس کی دنیا اور آخرت برباد ہو جائے گی-

خالق کائنات نے سورۃ الکہف میں دنیا کے فنا اور زوال کی بڑی پیاری مثال دیتے ہُوئے ارشاد فرمایا:

"وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِیْمًا تَذْرُوْهُ الرِّیٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا"[14]

"اور ان کے سامنے زندگانی دنیا کی کہاوت بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے آسمان سے اتارا تو اس کے سبب زمین کا

[12] (ھود:85)

[13] (الاعراف:175-177)

[14] (الکہف:45-46)

سبزہ گھنا ہو کر نکلا کہ سوکھی گھاس ہو گیا جسے ہوائیں اڑائیں اور اللہ ہر چیز پر قابو والا ہے مال اور بیٹے یہ جیتی دنیا کا سنگھار ہے اور باقی رہنے والی اچھی باتیں ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر اور وہ امید میں سب سے بھلی"۔

ذرا غور کریں مذکورہ آیت میں دنیا کی زندگی کو تشبیہ دی گئی ہے اُس زمین کے ساتھ کہ جس پر بارش ہونے کی وجہ سے تازگی آتی ہے پھر چند دنوں کے بعد چورہ چورہ ہو کر اُس کی مٹی ہُوا میں اڑنے لگتی ہے -تو دنیا کا حال بھی ایسا ہی ہے کہ شروع شروع سبزہ اور کھیتی کی طرح تروتازہ اور خوشنما معلوم ہوتی ہے اور خوب باغ و بہار دِکھاتی ہے پھر جس طرح چند روز کے بعد سبزہ سوکھ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے ،اسی طرح چند روز کے بعد یہ دنیا کی زندگی بھی ختم ہو جائے گی لہذا چند روزہ رونق اور بہار پر پھولنا اور اترانا عقلمندی کا کام نہیں ہے-خوب سمجھ لو کہ جس خدا نے تمہیں مال و اولاد کی زینت بخشی ہے وہ اس کو فنا کرنے پر بھی قادر ہے ، مال اور بیٹے جن پر کافر اتراتے پھرتے ہیں یہ محض دنیاوی زندگی کی زینت ہے زادِ آخرت نہیں ہے-

اب اس میں ہمارے لیے جو نصیحت اور سبق ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اور دنیا کی حقیقت کو سمجھیں کہ یہ دونوں فانی ہیں اور دنیا کی ظاہری زیب و زینت کو دیکھ کر اُس پر فریفتہ ہو کر اپنی چند روزہ زندگی کو ضائع مت کریں اور سمجھ جائیں کہ دنیا ہیچ ہے قابل فخر چیز نہیں ہے قابل فخر اور قابل شکر تو اعمال صالحہ ہیں -جن کے مقابلے میں ساری دنیا کی آرائش و زیبائش کچھ حقیقت نہیں رکھتی -لہذا ہمیشہ باقی رہنے والے اعمال صالحہ اختیار کریں-

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۃ سبا میں قوم سبا کا ذکر کیا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

"فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَیْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَیْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ۝ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِیْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ"[15]

"پھر انھوں نے اعراض کیا تو ہم نے ان پر تند و تیز سیلاب بھیج دیا، پھر ہم نے ان کے دو باغوں کو ایسے دو باغوں سے تبدیل کر دیا جن میں بد ذائقہ پھل اور جھاؤ کے درخت اور بیری کے بہت کم درخت تھے - یہ ہم نے ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم صرف ناشکروں کو (ایسی) سزا دیتے ہیں"۔

قوم سبا نے جب اطاعت سے منہ پھیرا اور ناشکری کا راستہ اختیار کیا تو انہیں یہ سزا دی گئی کہ اُن پر زور دار سیلاب آیا اور اُن کے باغوں کو کڑوے پھل میں تبدیل کر دیا گیا-اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قومیں راہ راست سے ہٹ جاتی ہیں اور اطاعتِ الٰہی سے انحراف کرتی ہیں، تو اُن پر طرح طرح کی آفتیں آتی ہیں اور انہیں نعمتوں سے محروم کر دیا جاتا ہے، آج من حیث القوم ہم اپنی گریبانوں میں جھانکیں کہ ہماری روش کیا ہے کیا ہم صحیح معنوں میں احکامات خداوندی کی پابندی کر رہے ہیں ،اُس ذات نے ہمیں جو طرح طرح کی نعمتیں عطا کی ہیں ان پر اُس کا شکر بجالا رہے ہیں قوم سبا کا واقعہ ہمیں پیغام دیتا ہے کہ اگر تم بھی ناشکرے بنو گے اور اُس ذات کی اطاعت سے منہ پھیر لو گے تو تم نہ صرف سزا کے مستحق ٹھہرو گے بلکہ اُس کی نعمتوں سے بھی محروم کر دیئے جاؤ گے-

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مثالیں بیان کر کے نہ صرف وعظ و نصیحت اور عبرت کا سبق دیا ہے بلکہ معانی و مطالب کو سہل کر کے اپنے قرب کی راہ ہموار کر دی ہے تو ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآن مجید کو پڑھیں اور اس میں غور و فکر کریں-لہذا جو بھی مُومن پورے اخلاص کے ساتھ اس میں غوطہ زنی کرتا ہے وہ کبھی نامراد نہیں لوٹتا- بلکہ اُس کا دامن لعل و گوہر سے بھرا ہُوا ہوتا ہے کتاب الٰہی کے ساتھ اپنا ناطہ اور تعلق مضبوط کرنے والے کو نہ صرف دنیاوی اور اُخروی نعمتوں سے مالا مال کیا جاتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اُس پر قرآن مجید کے ظاہری و باطنی اسرار و رموز کھول کر اُس کے دل و دماغ کو منور و معطر کر دیتا ہے-

☆☆☆

[15](سباء:16-17)

YouTube

مسلم انسٹیٹیوٹ کا یوٹیوب چینل

www.youtube.com/MUSLIMInstitute

علمی مباحث | پُرمغز دلائل | تحقیقی مکالمہ

پہ مبنی قومی و بین الاقوامی محققین کے لیکچرز اور آراء سننے کیلئے وزٹ کیجئے

خارجہ پالیسی | عالمی سیاست | مسلم دنیا

تصوف | معیشت | معاشرت

اور دیگر اہم موضوعات پہ ویڈیوز دیکھئے

سلطان العارفین حضرت سلطان باھُوؒ

کی شہرہ آفاق اور فقر و عرفان کے اسرار و رموز سے بھرپور کتب

کا معیاری انگریزی ترجمہ

مترجم: ایم اے خان

ان تراجم کا مقصد اس عظیم روحانی و ادبی ورثے کو انگریزی قارئین تک پہنچانا ہے۔

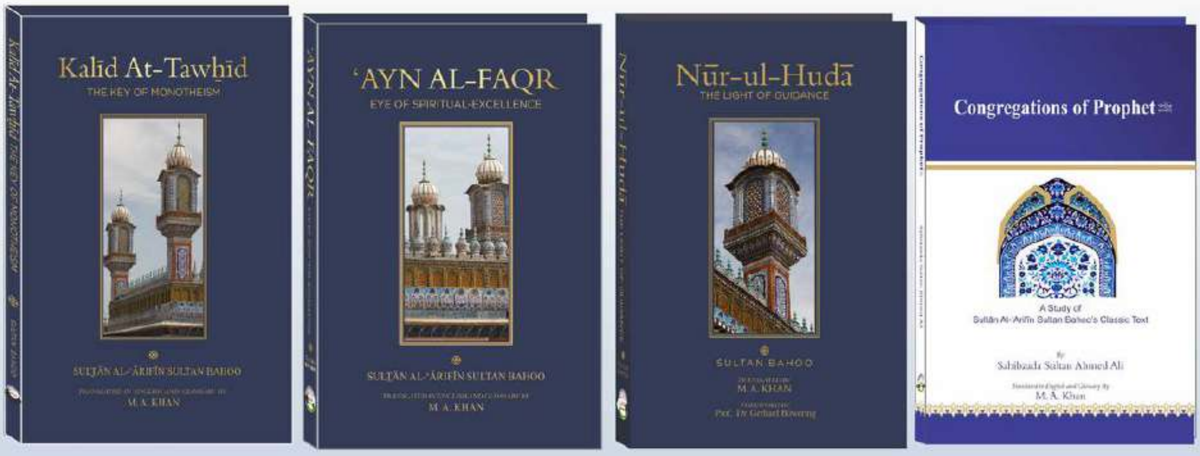

Unique Terminologies

Precise Interpretations

Modern and Effective Style

یہ تراجم حضرت سلطان باھُوؒ کے پیغام کو دنیائے جدید میں پھیلانے کا مؤثر ذریعہ ہیں

علم دوست اور کتاب بین حضرات کے لیے خوبصورت تحفہ

العارفین پبلیکیشنز (رجسٹرڈ) لاہور-پاکستان

اپنے قریبی بک سٹال سے طلب فرمائیں

ہیڈ آفس: دربارِ عالیہ حضرت سخی سلطان باھُوؒ ضلع جھنگ (پنجاب) پاکستان

پی او بکس نمبر 11 جی پی او لاہور

ویب سائٹ: www.alfaqr.net ای میل: alarifeenpublication@hotmail.com